

بروم لیگل میگسمز اور مجلۃ الاحکام العدلیۃ کی روشنی میں قاعدہ اعتبار قُربِ عِلّت کی تعبیر،
اطلاق اور انطباق کا علمی و تقابلی جائزہ



Dr. Saleem Khan	Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Peshawar, Pakistan
Adnan Ullah	PhD Research Scholar, Qurtuba University Peshawar/ Visiting Lecturer UET Jalozi Campus Peshawar
Yasir Hussain Toru	PhD Research Scholar, Department of Islamic Studies, University of Peshawar, Pakistan

Abstract: The entire edifice of Islamic jurisprudence (Al- fiqh al-Islāmi) is based on jurisprudential Principles (al-qawā'id al-fiqhiyyah) and similarly the entire structure of the Statutory Law is also based on fundamental legal Principles which is called Legal Maxims as well.

These fundamental principles played a key and vibrant role in interpretation of the legal matters and helped in gathering all these interpretations under a single umbrella.

Hence almost all legal experts and writers have included them in their esteemed works, such as Herbert Broom, a famous law writer included them in his celebrated and renowned writing "A selections of legal maxims; Classified and Illustrated" and the Ottoman Empire adopted the same approach in its courts manual "the Ottoman Mejelle, known as Majallat al-Ahkām al-Adliyyah"

Among the aforesaid fundamental legal maxims there is a prominent and noticeable maxim related to the proximate and remote cause of any event aiming to decide the legal status and figuring out the main reason of the said event

This study focuses on explanation and implementation of the said maxim in the light of "A selections of legal maxims; Classified and Illustrated by Herbert Broom and Majallat al-Ahkām al-Adliyyah" by the then Ottoman Empire.

Keywords: Legal Maxims, Al- fiqh al-Islāmi, al-qawā'id al-fiqhiyyah, Broom's Legal Maxims, the Ottoman Mejelle(Majallat al-Ahkām al-Adliyyah) Proximate/Remote Cause

تمہید

برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کرتے رہتے ہیں۔ انسانوں کے مابین پروان چڑھنے والے ان خصومات کو حل کرنے کے لئے متذکرہ دونوں طرح کے قوانین کا اپنا مخصوص انداز اور طریقہ کار ہوتا ہے، جس کو مؤثر انداز میں لاگو کرنے کے لئے ان قوانین کے اپنے اصول، قواعد اور ضوابط ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ انسانی جھگڑوں اور خصومات کا حل پیش کرتے ہیں۔ ان اصول اور قواعد میں سے ایک مشہور قاعدہ پر ذیل کے سطور میں گفتگو کی جا رہی ہے جس کی تشریح اور متعلقہ تفصیلات کی فراہمی

دنیا میں قدم رکھنے کے بعد انسان کو مختلف النوع حالات اور واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کبھی کبھار وہ موافق اور سازگار حالات میں جی رہا ہوتا تو کبھی غیر سازگار اور نامساعد حالات کا سامنا کرتا ہے کبھی وہ امن و آشتی کی نعمت سے بہرور ہو رہا ہوتا ہے تو کبھی طرح طرح کے سماجی خصومات اس کی زندگی کو اجیرن بنا دیتی ہیں۔ آخر الذکر صورت میں ان خصومات کا تصفیہ کرنے کے لئے سماوی قوانین کی طرح انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین بھی ہمہ تن مصروف عمل رہتے ہیں اور معاشرتی امن و امان کو

کے لئے مغربی قوانین سے فاضل ہربرٹ بروم کی مشہور زمانہ کتاب Broom's Legal Maxims اور اسلامی قوانین کی نمائندہ معاصر کتاب مجلۃ الأحکام العدلیہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ہربرٹ بروم نے مذکورہ قاعدہ اپنی کتاب کے باب پنجم بابت ”اساسی اصول قانون (Fundamental Legal Principles) میں تیسرے نمبر پر ذکر کیا ہے۔ جس کا مفہوم کچھ یوں بنتا ہے کہ کسی وقوعہ کے بارے میں علت حادثہ معتبر ہوتی ہے، یعنی اگر کوئی واقعہ رونما ہو جائے اور اس کے پیچھے مختلف علل (Causes) کارفرما ہوں، اور ان علل میں سے بعض قدیم جبکہ بعض جدید ہوں، یا مثلاً کسی وقوعہ کے پیچھے دو علتیں کارفرما ہوں، ایک پرانی اور ایک نئی، تو قانون پرانی علل (Remote Causes) کا لحاظ نہیں رکھتا بلکہ وہ نئی علل (Immediate Causes) کو سامنے رکھ کر وقوعہ کا قانونی حل تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہربرٹ بروم کے مطابق اگر قانون کسی امر حادث کے علت العلل اور اس سے پہلے رونما ہونے والے تکوینی امور اور ان کے علل کے پیچھے پڑ جائے تو اس صورت حال میں قانون ایک غیر محدود اور لامتناہی سلسلے سے دو چار ہو کر مشکلات میں الجھ جائے گا، پس اس لامتناہی اور لاینحل صورت حال میں الجھنے کی بجائے قانون کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ خود کو مذکورہ واقعہ کے علت جدیدہ/ علت حادثہ (Immediate Cause) تک محدود رکھ کر اس کا قانونی حل نکالے اور غیر ضروری پیچیدگیوں سے بچتے ہوئے جلد از جلد اس وقوعہ کا تصفیہ کر لے۔

’ مجلۃ الأحکام العدلیہ میں مذکورہ قانونی قاعدہ سے گہری مطابقت رکھنے والے قاعدہ کو مادہ : 11 کے عنوان کے تحت ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

”إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته [Every occurrence is presumed to be of recent date]

جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی نئے پیش آمدہ واقعہ کو قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بسا اوقات کسی نئے وقوعہ کے احکام اور ان پر مرتب ہونے والے نتائج میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، جس کی اصل وجہ واقعہ کی تاریخ وقوعہ میں اختلاف کی موجودگی ہوتی ہے، اگر ایسی صورتحال سامنے آجائے تو اس کا حل اس طریقے سے نکالا جاتا ہے کہ ذکر شدہ تاریخوں میں جو تاریخ وقوعہ کے سب سے زیادہ قریب ہوگی، اس کے مطابق فیصلہ کر کے واقعہ کا حکم اور فیصلہ سنایا جائے گا،

البتہ اگر کوئی ایسی دلیل اور ثبوت صراحتاً قائم ہو جائے جو قریب ترین تاریخ کی نفی کر رہی ہو تو اس صورت میں قریب ترین تاریخ کی طرف اس واقعہ کو منسوب کرنے کی بجائے اس کو اس تاریخ کی طرف منسوب کیا جائے گا جس پر دلیل قائم ہوئی ہو۔

کسی وقوعہ کو قریب ترین تاریخ کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قریبی تاریخ پر تمام فریق متفق ہوتے ہیں جبکہ پچھلی تاریخ میں واقعہ کے رونما ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ اختلافی امور اتفاقی امور کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ مختلف فیہ واقعہ میں شک ہوتا ہے اور متفق علیہ واقعہ یقینی ہوتا ہے اور شک و یقین باہم مد مقابل ہوں تو جانب یقین راجح اور جانب شک مرجوح قرار دیا جاتا ہے، اس کو المجلۃ میں مادہ: 4 کے عنوان کے تحت ”الیقین لایزول بالشک“ کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی وقوعہ کی قریبی تاریخ یقینی اور پچھلی تاریخ مشکوک و موبوم ہوتی ہے لہذا ہم مشکوک اور موبوم چیز کو چھوڑ کر یقینی چیز پر عمل کر کے واقعہ مذکورہ کا حل تلاش کریں گے۔ جیسے کسی مسلمان مرد نے ذمیہ عورت کے ساتھ نکاح کیا، نکاح کرنے کے بعد وہ مسلمان شوہر مرگیا، شوہر کی موت کے بعد اس کی ذمیہ بیوہ نے دعویٰ کیا کہ میں نے شوہر کی موت سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، یہ دعویٰ وہ اس لئے کرتی ہے تاکہ وہ اپنے شوہر کے ورثاء میں شامل ہو کر اس کے ترکہ میں حصہ دار بن جائے، جبکہ اس کے شوہر کے کسی دوسرے وارث نے دعویٰ کیا کہ اس نے شوہر کی وفات کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا، پس اسی وارث کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے یہ بیوہ اپنے شوہر کے میراث میں حصہ دار نہیں بن سکتی، البتہ اگر اس بیوہ نے کوئی گواہ پیش کیا، جس نے گواہی دی کہ اس نے شوہر کی موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا تو اس صورت میں مذکورہ بیوہ کو شوہر کے ترکہ میں حصہ ملے گا۔ مذکورہ مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمیہ بیوہ کا اسلام قبول کرنے کا دعویٰ ایک امر حادث ہے، اب اس امر حادث کے تاریخ وقوع میں اس بیوہ اور دوسرے وارث کا اختلاف ہو گیا۔ بیوہ پچھلی تاریخ (شوہر کی وفات سے قبل) میں قبولیت اسلام کا دعویٰ کر رہی ہے اور دوسرا وارث قریبی تاریخ (شوہر کی وفات کے بعد) میں قبولیت اسلام کا دعویٰ کر رہا ہے۔ مذکورہ صورت میں قریبی تاریخ میں قبولیت اسلام میں دونوں کا اتفاق پایا جا رہا ہے جس کی وجہ سے یہ ایک امر یقینی بن گیا ہے جبکہ پچھلی تاریخ میں قبولیت اسلام میں دونوں کا اختلاف ہے جس کی وجہ سے اس بیوہ کا پچھلی تاریخ

قانونی اساس

ہربرٹ بروم کے نزدیک قاعدہ مذکورہ کے مطابق کسی وقوعہ یا نئے پیش آمدہ مسئلہ میں مذکورہ واقعہ کی علتِ قدیمہ کے بجائے علتِ حادثہ کا اعتبار کیا جائے گا یا کسی واقعہ کے قریب ترین وقت اور حالت کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے اسی واقعہ کا حکم مرتب ہوگا، کیونکہ اگر قانون اسی وقوعہ کی علتِ حادثہ کو چھوڑ کر علتِ قدیمہ کے پیچھے پڑ جائے تو اس سے مختلف قسم کی قانونی پیچیدگیاں جنم لیں گی۔ علتِ حادثہ کے معتبر ہونے اور علتِ قدیمہ کے غیر معتبر ہونے کے سلسلے میں ہربرٹ بروم کہتے ہیں:

“It was infinite for the law to consider the causes of causes and their impulsions...”ⁱⁱⁱ

یعنی اگر قانون کسی فعل کی علت اور علت کی علت کے پیچھے پڑ جائے یا قانون علتِ العلل کی ٹوہ لگانے کی کوشش کرے تو اس صورت میں قانون ایک لامتناہی عمل میں الجھ جائے گا، کیونکہ یہ ایسا سلسلہ ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے گا، جس کے نتیجے میں قانون گویا کہ ایک عبث اور فضول کام میں الجھ جائے گا، لہذا قانون کو فضولیات میں مصروف ہونے سے خود کو بچانا چاہیئے۔ اس سلسلے میں ہربرٹ بروم کہتے ہیں۔

“Therefore it contenth itself with the immediate cause and judgeth of acts by that, without looking to any further degree”^{iv} اسی طرح فقہی قاعدہ ”إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته“ [Every occurrence is presumed to be of recent date]

کا مفہوم یہی نکلتا ہے کہ کسی امر حادث کو قریب ترین وقت یا تاریخ کی طرف منسوب کیا جائے گا گویا کہ قاعدہ مذکورہ میں ”أقرب أوقاته“ سے ہربرٹ بروم کے یہاں ”Immediate Cause“ ہی مراد ہے۔ اب ”بعد أوقاته“ جو کہ ”Remote cause of any event“ کی بجائے ”أقرب أوقاته“ کا اعتبار کیوں کیا جاتا ہے؟ اور اسی قاعدہ کے لئے بنیاد اور اساس کیا ہے؟ اس کی تفصیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے جیسے کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ متفق علیہ وقت اور تاریخ پر عمل کرنا، مختلف فیہ وقت اور تاریخ پر عمل کرنے سے کہیں بہتر ہے، کیونکہ متفق علیہ وقت اور تاریخ ایک امر یقینی ہے جبکہ مختلف فیہ وقت اور تاریخ ایک امر موبومی ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب امر یقینی اور امر موبومی باہم مقابل ہوں، تو امر یقینی ہی کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ یہ ”القواعد الكلية الأساسية الكبرى میں ایک اہم قاعدہ ہے

میں اسلام قبول کرنا مشکوک بن گیا ہے، لہذا ہم اس مشکوک (پچھلی تاریخ) کو چھوڑ کر یقین پر مبنی قریب ترین تاریخ پر حکم لگائیں گے کہ اس بیوہ نے شوہر کی وفات کے بعد اسلام قبول کر لیا ہے شوہر کی وفات کے وقت یہ ذمیہ تھی اور اختلافِ دین کی وجہ سے یہ ذمیہ اپنے مسلمان شوہر کی وارثہ نہیں بن سکتی کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

”عن أسامة بن زيد رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم“ⁱ البتہ اگر مذکورہ بیوہ قبولیتِ اسلام قبل از وفاتِ الزوج پر کوئی گواہ پیش کرے تو اس صورت میں شک زائل ہو کر یقین میں بدل جائے گا اور وفاتِ زوج کے وقت اس کو بھی مسلمان قرار دے کر شوہر کے میراث میں حصہ دار مانا جائے گا، گویا کہ اب قریب ترین تاریخ پر عمل کرنے کے خلاف ایسی دلیل قائم ہوئی جو پچھلی تاریخ پر عمل کرنے کو تقویت دے رہی ہے اور یہی مطلب المجلة کے ان الفاظ کا ہے ”مالم تثبت نسبته إلى زمان بعيد“ یعنی کسی امر حادث کے قریب ترین وقت یا تاریخ پر عمل کیا جائے گا اور اس کی بنیاد پر اس امر حادث کے حکم اور نتائج کو مرتب کیا جائے گا لیکن اگر قریبی تاریخ کے خلاف پچھلی تاریخ پر کوئی دلیل قائم ہو جائے تو پھر اس امر حادث کو پچھلی تاریخ کی طرف منسوب کر کے اس کے مطابق حکم اور نتائج مرتب ہوں گے۔ جیسے کسی کنویں میں چوہا پایا جائے تو صاحبین کے نزدیک نماز وغیرہ کا اعادہ ضروری نہیں ہے کیونکہ کنویں میں چوہے کا پایا جانا امر حادث ہے اور اس کو قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا (جیسے یہ ابھی ابھی کنویں میں گر گیا ہے) پس کسی چیز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے یہاں اس میں تفصیل ہے کہ اگر کنویں میں گرا چوہا پھولا پھٹا نہ ہو تو ایک دن اور ایک رات کی نمازیں لوٹائے گا اور اگر پھولا پھٹا ہو تو تین دن اور تین راتوں کی نمازیں لوٹانا مستحسن ہے (کیونکہ یہ عبادات کا باب ہے) جس میں زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔ⁱⁱ

مسئلہ مذکورہ میں صاحبین کا قول قرین اصول ہے اور امام صاحب کا قول بناء بر باب عبادات احتیاط پر مبنی ہے، البتہ چوہے کا پھول جانا ایسی دلیل ہے جو قُرب وقوعہ کی نفی کر رہی ہے لہذا اس صورت میں اس کو پچھلی تاریخ کی طرف منسوب کرنا راجح ہوگا۔

بہر حال زیرِ نظر تحقیق میں متعلقہ قاعدہ کے ہر گوشہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قاعدہ ”إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته“ کا فقہی اور

جس کو ”یقین لا یزول بالشک“^v کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ یقین کو شک کی وجہ سے زائل نہیں کیا جاسکتا، یا کسی یقینی چیز کو محض شک کی بنیاد پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔

متفرق اطلاعات بابت قاعدہ مذکورہ

بربرٹ بروم کے نزدیک ابتداءً قاعدہ مذکورہ کا اطلاق یورپی عدالتوں میں قانون کے ایک مخصوص شاخ پر کیا جاتا رہا جس کا تعلق ”سفن متکافلہ یا تکافل سفن“ (Marine Insurance) سے تھا۔ جو بعد میں 1906ء کے قانون بابت تکافل سفن (Marine Insurance Act-1906) کے لئے پیش خیمہ ثابت ہوا، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ قاعدہ کی ابتدائی اطلاقی اور انطباقی صورتوں اور نظائر کا تعلق بھی ”سفن متکافلہ“ ہی کے قبیل سے ہے۔ اگرچہ اسی قاعدے کا اطلاق اس زمانے میں بعض دیگر نظائر پر بھی ہوا تھا جن کو Broom’s Legal Maxims کے صفحہ 139 پر دیئے گئے حاشیہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے تاہم اس کے اولین اطلاقات ”سفن متکافلہ“ اور ان سے متعلق مسائل کی صورت میں ملتے ہیں۔ ”تکافل سفن“ (Marine Insurance) سے متعلق مذکورہ ایکٹ کے تحت اگر کوئی کشتی یا سمندری جہاز متعدد حادثات کے نتیجے میں تباہی و بربادی یا شکست و ریخت کا شکار ہو جائے تو بیمہ (Insurance) کا اطلاق صرف آخری حادثہ سے وقوع پذیر ہونے والے نقصان پر کیا جائے گا یعنی اگر کوئی کشتی یا سمندری جہاز یکے بعد دیگرے دو تین حادثات کا شکار ہو گیا اور ان کے نتیجے میں مذکورہ کشتی یا سمندری جہاز کا کچھ نقصان ہو ا تو بیمہ کار (Underwriter) پر صرف آخر الذکر حادثہ سے ہونے والے نقصان کا ضمان اٹے گا کیونکہ اس کشتی پر نازل ہونے والے حادثات متعدد تھے جو اس نقصان کا باعث بن گئے، اب ان وجوہات میں سے جو قریب ترین وجہ یا علت (Immediate Cause) ہو اس کی طرف اس نقصان کو منسوب کیا جائے گا اور اس کے مطابق اس امر حادث کے احکام اور نتائج مرتب ہوں گے۔ لیکن یہاں پر اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اعتبار اسی علت قریبہ کا کیا جائے گا جس کے نتیجے میں براہ راست یا بلاواسطہ یہ نقصان ہوا ہے، علت بعیدہ سے ہونے والے بلاواسطہ نقصان کی طرف اس امر حادث کو منسوب نہیں کیا جائے گا، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بروم لکھتے ہیں:

“The loss must be a direct and not too remote...”^{vi}

یعنی کسی علت بعیدہ کی طرف نقصان کو منسوب کرنا

قاعدہ مذکورہ کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس کے مطابق علت قریبہ کا لحاظ کیا جاتا ہے نہ کہ علت بعیدہ کا۔ اس کے علاوہ بیمہ کار ان نقصانات کا ضامن ہوگا جن کی ضمانت اس نے لی ہے، پس اگر پالیسی یا معاہدہ پر دستخط کرتے وقت چند نقصانات کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہو اور انہیں مستثنیٰ شدہ نقصانات ہی میں سے کسی ایک نقصان کی وجہ سے کشتی یا سمندری جہاز غرقاب ہو جائے تو اس کا ضمان بھی بیمہ کار کے ذمے نہیں ہوگا۔

مذکورہ قاعدے کی ایک نظیر یہ ذکر کی گئی ہے کہ مثلاً کسی جنگی بیڑہ کو ایک بڑی تجارتی، یا سامان لادنے اور سواری کے لئے استعمال ہونے والے سمندری جہاز کے پیچھے باندھا گیا اور سفر کے دوران وہ ڈوب گیا اور ساتھ ساتھ وہ سمندری طوفان کا بھی شکار ہو گیا تھا۔ اب مذکورہ حادثہ کی دو وجوہات ہیں، ایک یہ کہ یہ جہاز جنگی بیڑہ کی وجہ سے ڈوب گیا ہو، دوم یہ کہ یہ جہاز سمندری طوفان کی وجہ سے ڈوب گیا ہو، مذکورہ صورت میں سمندری طوفان کو اس حادثہ کی علت قرار دیکر اس کے مطابق اس واقعہ کے نتائج مرتب ہوں گے، کیونکہ بظاہر جنگی بیڑہ کی وجہ سے اس کا ڈوب جانا علت بعیدہ (Remote Cause) معلوم ہوتی ہے جبکہ سمندری طوفان کی وجہ سے اس کا ڈوب جانا حادثہ مذکورہ کی علت قریبہ (Immediate Cause) معلوم ہوتی ہے لہذا ذکر شدہ قاعدے کے مطابق اسی علت کی طرف اس حادثہ کو منسوب کیا جائے گا اور بیمہ کار اس نقصان کا ضامن ہوگا کیونکہ سمندری طوفان کا شمار ”Perils of the Sea“ میں ہوتا ہے جن کی وجہ سے رونما ہونے والے نقصان کی تلافی بیمہ کار کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اب اگر اس واقعہ میں Remote Cause کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاز کی غرقابی کی وجہ جنگی بیڑہ کو قرار دیا جائے تو اس صورت میں بیمہ کار ضامن نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اس قسم کے نقصانات کے ازالہ کی ذمہ داری نہیں لی ہے، دوسرا یہ کہ جنگی بیڑہ کی وجہ سے جہاز کی غرقابی مذکورہ حادثہ کی علت بعیدہ ہے جس کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے، البتہ اگر باوثوق ذرائع اور مستحکم دلائل اور ثبوتوں کے ذریعے یہ بات معلوم ہو جائے کہ مذکورہ جہاز جنگی بیڑہ ہی کی وجہ سے غرق ہوا ہے تو اس صورت میں اسی علت کا لحاظ کر کے بیمہ کار کو نقصان کی تلافی سے بری الذمہ قرار دیا جائے گا۔

اس کے بعد فاضل بروم نے بعض وہ نظائر ذکر کئے ہیں جن میں سفن متکافلہ کو پہنچنے والے ان نقصانات اور حادثات کا ذکر ہے جن کی وجوہات میں سمندری

خطرات کے ساتھ ساتھ جہاز رانی پر مامور عملہ کی غفلت اور لاپرواہی بھی شامل ہوتی ہے، اس سلسلے میں بھی قاعدہ مذکورہ کا لحاظ کرتے ہوئے ”Immediate Cause“ اور ”Remote Cause“ کو متعین کر کے اس کے مطابق حادثات کے احکام اور نتائج ترتیب پائیں گے۔ اس کے علاوہ 1906ء کے قانون بابت تکافل سفن کے ایک اہم اصول کو بھی ذکر کیا گیا ہے جو مذکورہ ایکٹ کے سیکشن (4) 78 کے تحت بیان ہوا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

“That the assurer and his agents must take all reasonable measures to prevent or minimize loss”^{vii}

یعنی بیمہ کرنے والے اور اس کے اہلکاروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان تمام اقدامات کو بروئے کار لائیں جن کی بدولت نقصان کے راستے کو روکا جا سکتا ہے یا نقصان کو کم کیا جاسکتا ہے، لہذا اگر یہ لوگ اپنے ان فرائض منصبی میں کسی قسم کی کوتاہی یا غفلت برتتے ہیں اور اس کے نتیجے میں نقصان ہوجاتا ہے تو اس کا ازالہ بھی ان کی ذمہ داری ہوگی۔ اس سلسلے کی ایک اور نظیر جس کو ”Marine Insurance Act, 1906“ کے سیکشن : 39 کے ذیلی سیکشن : 5 میں ذکر کیا گیا ہے، یہ ہے کہ ایک بیمہ شدہ بحری جہاز ناموافق ہواؤں اور تیز لہروں کی وجہ سے ڈوب گیا، بعد کی صورت حال سے یہ تاثر ملا کہ مذکورہ جہاز بحری سفر کے لئے غیرموزوں اور ناقابل استعمال (Unseaworthy) تھا لیکن بیمہ کار کو اس کی اس حالت کا پتہ نہیں تھا کہ ڈوبتے وقت یہ جہاز بحری سفر کے قابل نہیں تھا، بعد کی صورت حال سے پتہ لگا کہ بیمہ کار نے استدلال پیش کیا کہ چونکہ مذکورہ جہاز قابل استعمال نہیں تھا لہذا پالیسی کے مطابق اس کا تاوان ادا کرنا میری ذمہ داری نہیں ہے کیونکہ اس کو پہنچنے والا نقصان سمندری خطرات میں شامل نہیں بلکہ یہ نقصان تو اس کی خراب حالت کی وجہ سے ہوا ہے۔

عدالت میں اس پر کافی بحث و تمحیث ہوئی، جس نے اس قسم کے معاہدات میں ہونے والے نقصانات اور اس کے ازالہ سے متعلق اہم اصول کو جنم دیا کہ اگر کوئی سمندری نقصان کسی بھی واقعہ کی علت حادثہ بن رہی ہو تو اس کو بیمہ کی پالیسی میں شامل گردانا جائے گا اگرچہ اس کی صراحت بیمہ پالیسی میں مذکور ہی نہ ہو پھر بھی اس سے ہونے والے نقصان کی ذمہ داری بیمہ کار پر ہوگی۔^{viii}

اسی طرح کسی کشتی کو مرمت کے لئے بندرگاہ پر روکا گیا کہ سمندری سفر سے پہلے اس کشتی میں

فلاں فلاں مرمت ضروری ہے، اس کے بغیر آپ سمندری سفر کو جاری نہیں رکھ سکتے، مذکورہ مرمت کا خرچہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کشتی کے مالک نے کچھ سامان فروخت کیا اور اس سے حاصل ہونے والے رقم پر مرمت کے اخراجات ادا کئے، بعد میں اپیل دائر کی کہ مذکورہ اخراجات کی ادائیگی بیمہ کار کی ذمہ داری ہے، عدالت نے فیصلہ سنایا کہ مذکورہ اخراجات سے ہونے والے نقصان کی تلافی بیمہ کار کے ذمہ نہیں ہے کیونکہ مذکورہ قاعدے کے تحت اس نقصان کی علت حادثہ سمندری خطرات نہیں ہیں، اگرچہ علت قدیمہ کو دیکھا جائے تو یہ مرمت سمندری خطرات ہی کی وجہ سے کرنی پڑی ہے لیکن قاعدہ مذکورہ کے تحت علت قدیمہ کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ علت حادثہ کو دیکھتے ہوئے بیمہ کار کو ان اخراجات سے بری الذمہ قرار دیا گیا۔^{ix}

قاعدہ مذکورہ کی مزید وضاحت کے لئے ”Maritime Policy“ کے تحت کچھ مزید نظائر پیش کی گئیں ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نقصان قابل تلافی ہے جو بیمہ شدہ چیز کو بلاواسطہ پہنچا ہو، پس اگر کسی بیمہ شدہ چیز کو بالواسطہ نقصان پہنچ گیا اس کی تلافی بیمہ کار پر نہیں ہوگی، اس کی وضاحت کے لئے ایک نظیر پیش کی گئی ہے کہ اگر کوئی بحری کارگو جہاز کانوائے میں کسی بندرگاہ کی طرف روانہ ہوا ہو اور اس کے کمانڈر سے کہا جائے کہ اگر آپ مذکورہ بندرگاہ پر لنگر انداز ہو گئے تو آپ کے جہاز بحق سرکار ضبط کر لئے جائیں گے، یہ سن کر کانوائے کے کمانڈر نے بحری جہاز کے کیپٹن کو حکم دیا کہ اس بندرگاہ کی بجائے فلاں بندرگاہ کی طرف جہاز کو موڑ دو اور کیپٹن نے تعمیل حکم بجا لاتے ہوئے بحری جہاز کو وہاں پر لنگر انداز کیا اور جہاز پر لدا ہوا سامان اونے پونے داموں بیچ دیا تو اس صورت میں جو نقصان ہوا ہو اس کی ذمہ داری بیمہ کار پر نہیں ہوگی۔^x مذکورہ نظیر پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو طے شدہ اصول ابھی ذکر ہوا کہ بیمہ کار پر اس نقصان کی تلافی لازم ہوگی جو بیمہ شدہ چیز کو ان خطرات سے براہ راست پہنچا ہو جس کا پالیسی میں ذکر ہوا ہو یا جس پر بحری پالیسی دلالت کرتی ہو حالانکہ مذکورہ نظیر میں جو نقصان ہوا ہے وہ براہ راست نہیں ہے بلکہ بالواسطہ ہے کیونکہ کارگو کو پہنچنے والا یہ نقصان بحری نقصان کے ضمن میں نہیں آتا اس لئے بیمہ کار پر اس کی تلافی بھی لازم نہیں ہوگی۔

اسی طرح بحری سفر کے دوران ہر اس قدرتی آفت جس میں کچھ نہ کچھ انسانی مداخلت بھی شامل ہو، سے ہونے والا نقصان بحری نقصان ہی شمار ہوگا اور

ایک استثنائی صورت ذکر کی ہے جس کی بنیاد پر بیمہ کار نقصان کی تلافی کا ضامن نہیں ہوتا ، جس نے بعدمیں ایک اصول کی صورت اختیار کرلی، ایک ایسا اصول جو بین الاقوامی تجارتی اصولوں میں سے ایک مسلم اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو کہ مابعد “Marine Insurance Act, 1906” میں مندرجہ ذیل الفاظ میں صراحتاً مذکور ہے:

“The insurer is not liable for any loss attributable to the willful misconduct of the assured”^{xii}

یعنی بیمہ کار ہر اس نقصان کا ضامن نہیں ہوتا جو بیمہ شدہ شخص کی اپنی قصداً بد انتظامی کا نتیجہ ہو، یا اس کی قصداً غفلت کے نتیجے میں رونما ہوا ہو۔ اس اصول کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے:

“Assured cannot take advantage of his own wrongful act”

یعنی بیمہ شدہ شخص یا فریق اپنی غلطی کا فائدہ اٹھا تے ہوئے بیمہ کار کو کسی نقصان کا ضامن نہیں ٹھہر سکتا ، یا

“The assured cannot seek an indemnity for a loss produced by his own wrongful act”^{xiii}

گویا کہ بیمہ کاری کے سلسلے میں قانون نے بیمہ شدہ شخص کو بھی پابند بنایا ہے کہ وہ بیمہ شدہ چیز اور اس کو نقصان پہنچانے والے ممکنہ صورتوں سے خود کو باخبر رکھے اور ان سے پہنچنے والے نقصانات سے اپنی مملوکہ چیز کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے ٹھوس اقدامات کو بروئے کار لائے، کیونکہ بیمہ کاری کا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ تمام نقصانات کے ازالہ کی ذمہ داری بیمہ کار پر عائد ہوتی ہے وہ جانے اور اس کا کام جانے، مالک کی کوئی ذمہ داری نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ ہر دو فریق نقصانات سے بچنے کی مقدور بھر کوشش کریں گے۔ لیکن یہاں پر اس بات کا سمجھنا بھی از بس ضروری ہے کہ یہ کوئی اصول کلی نہیں ہے کہ جہاں پر بھی مالک یا اس کے عملہ کی غفلت اور لاپرواہی ہوگی وہاں پر بیمہ کار بری الذمہ تصور کیا جائے گا، نہیں بلکہ اس میں بھی بعض استثنائی صورتیں موجود ہیں جہاں پر مالک یا اس کے اہلکاروں کی غفلت کے باوجود نقصان کی تلافی کا ذمہ دار بیمہ کار ہی ہوتا ہے مثلاً اگر جہاز میں سامان لادنے والا عملہ کسی وزنی چیز کو یا بحری جہاز کے توازن کو برقرار رکھنے کے لئے استعمال ہونے والے وزنی چیز

بیمہ کار پر اس کی تلافی لازم ہوگی، مثلاً اگر تندوتیز ہواؤں کی صورت میں ایک بحری جہاز کو دوسرے بحری جہاز کے مخالف سمت میں چلایا گیا اور اس صورت میں کچھ نقصان ہوا تو یہ بحری نقصان شمار ہوگا اور بیمہ کار اس کی تلافی کا پابند ہوگا، اس صورت میں جہاز کو مخالف سمت چلانا اگرچہ انسانی فعل ہے لیکن اس کے پیچھے قدرتی فعل کارفرما ہے یعنی ناموافق اور نامساعد موسم، لہذا مذکورہ صورت میں جہاز کو پہنچنے والا نقصان براہ راست قدرتی اور سمندری نقصان کے زمرے میں آتا ہے بنا بریں اس کی تلافی بیمہ کار پر ہوگی۔ لیکن اگر معمول کے مطابق حالات میں دو کشتیوں یا دو بحری جہازوں کا تصادم ہو جائے اور اس کے نتیجے میں جانبین کا نقصان ہو جائے تو اس صورت میں بحری قوانین کے مطابق امیر البحر کے دائرہ اختیار یا بحری عدالت (Court of Admiralty) کے عام اصول کے تحت جانبین کے نقصان کو اکٹھا کر کے تخمینہ لگایا جائے گا اور اس کو دو نوں جہازوں کے مالکان پر تقسیم کیا جائے گا، یہ اس صورت میں جب دونوں کا نقصان برابر یا قریب قریب ہوا ہو، البتہ اگر ایک جہاز کو خود تو کم نقصان پہنچا ہو لیکن اس نے دوسرے جہاز کو زیادہ نقصان پہنچایا ہو، جس کے نتیجے میں اس کے مالک کو اضافی نقصان کی تلافی کرنی پڑی ہو، اس اضافی رقم کو اب بیمہ کار سے وصول نہیں کرسکتا کیونکہ اس کی علت حادثہ سمندری نقصان کے زمرے میں نہیں آتی پس بیمہ کار بھی اس کے مداوا کا ضامن نہیں ہوگا۔^{xi}

تصادم اور اس سے متعلق دیگر مسائل اور نقصانات کے ازالے کے باقی ماندہ اصول “Maritime Conventions Act, 1911” کے سیکشن I میں کافی بسط اور تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، کہ کن کن صورتوں میں بیمہ کار نقصانات کے ازالے کا پابند ہوتا ہے اور کن کن صورتوں میں وہ نقصانات کے ازالہ سے بری الذمہ ہوتا ہے، اسی طرح وہاں پر مخصوص تصادم کی صورت میں کبھی کبھار ایک جہاز کا مالک نقصان رسیدہ جہاز کے مالک کو تہائی یا چوتھائی نقصان ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

الغرض اس کا انحصار تصادم کی کیفیت اور اس کے نتیجے میں ہونے والے نقصان پر ہوتا ہے، جس کا فیصلہ بحری عدالت

(Court of Admiralty) کے دائرہ اختیار کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔

قاعدہ مذکورہ کی استثنائی صورتیں:

اس بحث کے بعد ہر برٹ بروم نے مذکورہ قاعدہ کی

(Ballast) کو جہاز کے عرشہ پر زور سے غلط طریقے سے رکھ دے اور وہ عرشہ جہاز کو کوئی نقصان پہنچائے، اس کے نتیجے میں جہاز ناقابل سفر بحری (Unseaworthy) بن جائے اور اس کے نتیجے میں کوئی نقصان رونما ہو جائے، بیمہ کار اس نقصان کی تلافی کا ضامن ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی بحری جہاز لنگر انداز ہو ا اور اس سے مثلاً چینی اتارنے اور ساحل تک لے جانے کے لئے چھوٹی بادبانی کشتی میں ڈالا گیا، وہ کشتی ساحل کی طرف رواں دواں تھی، دریں اثناء غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس چھوٹی کشتی کا پورا عملہ خواب خرگوش سو گیا، اور کشتی اپنے راستے سے مڑ کر کسی چٹان سے ٹکرا گئی جس کے نتیجے میں چینی مکمل طور پر ضائع ہو گئی، تو اس کے ضامن سے بیمہ کار بری الذمہ نہیں ہوگا کیونکہ اس قسم کے نقصانات کے لئے علت حادثہ سمندری خطرات ہی ہیں جن کے نتیجے میں رونما ہونے والے نقصانات کا ازالہ بیمہ کار ہی کو کرنا پڑتا ہے۔^{xiv}

مذکورہ بالا نظائر میں وہ صورتیں بیان ہوئیں ہیں جن میں مالکان یا ان کے اہلکاروں کی غفلت اور فرائض کی انجام دہی سے لا پرواہی بھی شامل ہے لیکن پھر بھی بیمہ کار کو نقصان کی تلافی کرنی پڑی ہے، معلوم ہوا کہ مالک اور اس کے اہلکاروں کی ہر غفلت اور لا پرواہی بیمہ کار کی بریت کا سبب نہیں بن سکتی ہے بلکہ نقصان یا وقوعہ کی علت حادثہ (Immediate Cause) کو دیکھا جائے گا اور اس کے مطابق وقوعہ کا حکم اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج ترتیب پائیں گے۔

مذکورہ اصول پر ایک اور اہم مسئلہ اور اصول متفرع کیا گیا ہے جس کا تعلق جہاز پر سامان لادنے کی بلٹی نامہ یا اطلاع نامہ (Bill of Lading) سے ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی خطرے کی پیشگی اطلاع موصول ہوئی ہو اور اس کے باوجود منظم طریقے سے احتیاط کے ساتھ سامان نہیں لادا گیا اور موصول ہونے والی اطلاع کے مطابق اسی خطرے کی وجہ سے وہ سامان ضائع ہو گیا تو اس کی ذمہ داری بھی مالک جہاز پر عائد ہوگی، چاہے یہ خطرہ رونما ہونے والے نقصان کی علت حادثہ (Proximate Cause) ہی کیوں نہ ہو پھر بھی تاوان مالک پر آئے گا کیونکہ یہ اس کی یا اس کے اہلکاروں کی غفلت کا نتیجہ ہے، گویا کہ یہ اصول بھی قاعدہ مذکورہ کی ایک استثنائی صورت ہے (جس میں علت حادثہ کو دیکھتے ہوئے بیمہ کار کی بجائے مالک کو ضامن ٹھہرایا گیا ہے) البتہ مذکورہ اصول میں ایک صورت ایسی بھی

ہے جس کے مطابق مالک اور اس کے اہلکاروں نے تمام احتیاطی تدابیر کو بروئے کار لاتے ہوئے اس خطرے سے بچنے کے لئے ٹھوس اقدامات اٹھائے ہوں اور پھر بھی اسی مطلعہ خطرے کی وجہ سے نقصان ہو جائے تو اس صورت میں مالک اور اس کے اہلکاروں کو معذور سمجھا جائے گا اور مذکورہ نقصان کا ازالہ بیمہ کار کی ذمہ داری ہوگی۔^{xv} مذکورہ نقصان کی علت حادثہ مالک یا اس کے اہلکاروں کی غفلت اور لا پرواہی نہیں ہے بلکہ اس کی علت حادثہ "Peril insured against" ہے، بناء بریں علت حادثہ کا اعتبار کرتے ہوئے مذکورہ قاعدہ کے تحت بیمہ کار کو اس نقصان کا ازالہ کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جس نقصان کا تعلق بھی "Peril insured against" سے ہوگا بیمہ کار اس کے تلافی کا ضامن ہوگا چاہے اس میں مالک یا اس کے اہلکاروں کی غفلت شامل حال کیوں نہ ہو!!

قاعدہ مذکورہ کی مزید وضاحت کے لئے مشترکہ غفلت / لا پرواہی (Contributory negligence) پر بھی گفتگو کی گئی ہے، جس میں پہلے پہل مدعی (Plaintiff) یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جو نقصان ہوا ہے اس کی علت حادثہ مدعی علیہ (Defendant) کی غفلت اور لا پرواہی تھی (لہذا اس کو ضامن ٹھہرانا چاہیئے) لیکن اگر مدعی علیہ، مدعی کی بات کی تردید کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ واقعی میں نے بھی غفلت کی ہے لیکن اس وقوعہ کی علت حادثہ میری نہیں بلکہ مدعی ہی کی غفلت کا نتیجہ ہے، تو اس صورت میں مدعی علیہ خود کو اس نقصان کی تلافی سے بچا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ مدعی علیہ کے پاس مذکورہ تاوان سے بچنے کا ایک اور بھی راستہ ہے، وہ یہ کہ جب مدعی علیہ اس غفلت اور لا پرواہی میں مدعی کو بھی شریک ثابت کرسکے تو اس صورت میں بھی وہ خود کو نقصان کے ازالہ سے بچا سکتا ہے، ہربرٹ بروم کہتے ہیں:

"That the injury occurred through the combined negligence of himself and the plaintiff"^{xvi}

یعنی مذکورہ نقصان میری (مدعی علیہ) اور مدعی کی مشترکہ غفلت کا نتیجہ ہے، لیکن یہاں پر اس بات کا سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ مدعی کو محض شریک غفلت قرار دینے سے مدعی علیہ کے تاوان سے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اگلا اور اہم مرحلہ یہ بھی ہے کہ وہ اس بات کو بھی

ثابت کرے کہ مدعی کی غفلت وقوعہ کی علتِ حادثہ تھی، پس اگر وہ صرف اتنا ثابت کرسکے کہ اس غفلت میں مدعی بھی میرے ساتھ شریک تھا اور اس کی غفلت یا تو اس نقصان کے لئے علتِ حادثہ نہ تھی یا صرف یہ ثابت کرسکے کہ اس کی غفلت مذکورہ نقصان کے لئے علتِ قدیمہ تھی، دونوں صورتوں میں مدعی علیہ نقصان کی تلافی سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا، معلوم ہوا کہ مدعی علیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مدعی کو شریکِ غفلت بھی ثابت کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی غفلت کو اس نقصان کی علتِ حادثہ اور اپنی غفلت کو علتِ قدیمہ ثابت کرسکے تبھی اس کی گلوخلاصی ہوگی ورنہ محض شریکِ غفلت قرار دینے سے اس کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ صدر صورتِ حال کے بارے میں ^{xvii} "Lord Selborne" کا قول نقل کیا گیا ہے کہ صرف شریکِ غفلت کے ثابت کرنے کی صورت میں مدعی علیہ کے حق میں فیصلے سنانا عظیم نا انصافی ہوگی، کہتے ہیں:

"Great injustice might be done if in applying the doctrine of contributory negligence to a case of this sort, the maxim casa proxima, non remota, and sepe spectatur were lost sight of"^{xviii}

یعنی اگر نظریہ غفلتِ مشترکہ کو بروئے کار لاتے ہوئے اس قسم کے فیصلے کئے جائیں (محض غفلتِ مشترکہ کے ثبوت کی بنیاد پر مدعی علیہ کے حق میں فیصلہ کیا جائے) تو یہ عظیم نا انصافی ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں مذکورہ قانونی قاعدہ اپنی حیثیت ہی کو کھو بیٹھے گا، کیونکہ مذکورہ قاعدہ تقاضا یہ کرتا ہے کہ ایسے مقدمات اور مسائل کا حل علتِ حادثہ کی بنیاد پر تلاش کیا جائے اور علتِ قدیمہ یا علتِ العلل کو خاطر میں نہ لایا جائے جبکہ عنقریب گزرنے والی صورت میں علتِ حادثہ کو یکسر نظر انداز کیا جا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ خود کو نقصان کی تلافی سے بچانے کے لئے مدعی علیہ کے لئے مدعی کو محض شریکِ غفلت قرار دینا کافی نہ ہوگا بلکہ اس کی غفلت کو نقصان کی علتِ حادثہ قرار دینا اور اپنی غفلت کو اسی نقصان کی علتِ قدیمہ قرار دینا بھی ازبس ضروری ہے، تب کہیں جاکر مذکورہ قاعدے کے تحت اس کے حق میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے، ورنہ مذکورہ شرائط کی فقدان کی صورت میں بھی اگر مدعی علیہ کے حق میں فیصلہ کیا گیا تو یہ مذکورہ قانونی قاعدہ کو غیر مؤثر قرار دینے کے مترادف ہوگا۔

اس تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ محض مدعی کی غفلت کو سامنے رکھ کر مدعی علیہ کے حق میں فیصلہ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کی ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اگر چہ مدعی نے غفلت کا مظاہرہ کرکے اس حادثہ کے رونما ہونے میں کچھ کردار ادا کیا ہے لیکن مدعی علیہ کے پاس بھی اس نقصان کے روکنے کا موقع تو موجود تھا، اس نے اس موقع کو کیوں ضائع کیا؟ جس کی وجہ سے یہ حادثہ پیش آیا، یہی وجہ ہے کہ مدعی علیہ کو اس آخری موقع سے فائدہ نہ اٹھانے اور نقصان کو نہ روکنے کی بنیاد پر ضامن ٹھہرایا جاتا ہے۔

اس کی مثال یہ بیان کی گئی ہے جیسے مدعی نے غلطی سے کچھ سامان شارع عام پر چھوڑ دیا اور مدعی علیہ کی گاڑی اس پر چڑھ دوڑی جس کی وجہ سے مدعی کا نقصان ہوا، مذکورہ صورت میں مدعی علیہ یہ کہہ کر خود کو اس نقصان کے ازالے سے نہیں بچا سکتا کہ یہ غفلتِ مشترکہ (Contributory Negligence) کا نتیجہ ہے لہذا مجھ پر اس کا ضمان نہیں ہے، ٹھیک ہے کہ مدعی نے غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سامان کو شارع عام پر چھوڑ دیا تھا لیکن مدعی کیطرف سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مدعی علیہ نے حدِ رفتار کا لحاظ نہیں رکھا اور نہ ہی بریک کا استعمال کرکے گاڑی روکی، اگر مدعی علیہ مناسب رفتار سے گاڑی چلاتا اور بریک کا استعمال کرتا تو یہ نقصان نہ ہوجاتا، اس نے چونکہ اس نقصان سے بچنے کا موقع ضائع کیا ہے لہذا اس کو مذکورہ نقصان کا ازالہ کرنا پڑے گا۔ البتہ اگر مدعی اور مدعی علیہ دونوں کی غفلت میں اتنا معمولی فاصلہ ہو کہ مدعی علیہ مذکورہ نقصان سے خود کو نہ بچا سکا، یا یہ کہ مدعی علیہ مناسب رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا اور بریک کا استعمال کرتے ہوئے گاڑی کو روکنے کی مقدور بھر کوشش بھی کی لیکن وہ گاڑی پھر بھی نہیں روک سکا، تو یہ وہ صورتیں ہیں جن میں مدعی علیہ مشترکہ غفلت کا سہارا لیتے ہوئے خود کو نقصان کے ازالے سے بچا سکتا ہے، اسی طرح بریکس (Brakes) کا اچانک فیل ہوجانا بھی مدعی علیہ کو نقصان سے بچانے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے، لیکن مذکورہ مثال کا ایک اور پہلو بھی ہے، وہ یہ کہ بعض اوقات مدعی علیہ کی غفلت کے نتیجے میں ایسی خطرناک صورتِ حال جنم دیتی ہے جس کی وجہ سے مدعی ذہنی الجھن کا شکار ہوکر غفلت پر مجبور ہوجاتا ہے (مثلاً مدعی علیہ گاڑی نہایت برق رفتاری سے دوڑاتا ہے اور مدعی سڑک پار کرتے ہوئے ڈر جاتا ہے اور خود کو بچانے کی خاطر سامان پھینک کر بھاگ نکلتا ہے اور مدعی علیہ کی گاڑی اس پر چڑھ

دوڑتی ہے) ایسی صورت حال میں مدعی علیہ غفلت مشترکہ کا سہارا نہیں لے سکتا۔

“Where the defendant has by his negligence created a dangerous situation ... the defense of contributory negligence will not avail”^{xxix}

کیونکہ صورت مذکورہ میں مدعی علیہ کی غفلت نے مدعی کو غفلت پر مجبور کیا ہے، لہذا مدعی علیہ غفلت مشترکہ کا سہارا لے کر خود کو نقصان سے نہیں بچا سکتا، گویا کہ مذکورہ نقصان کی علت حادثہ مدعی علیہ کی غفلت ہے جس کی طرف نقصان کو منسوب کر کے مدعی علیہ ہی کو ضامن ٹھہرایا جائے گا۔ “Contributory Negligence” پر مزید عدالتی نظائر اور تفریعات پیش کرتے ہوئے

”Breach of Statutory Duty“ کی مثال بھی بیان کی گئی ہے کہ مدعی کسی شخص پر دعویٰ کرے کہ اس نے اپنی قانونی ذمہ داری نہیں نبھائی ہے جس کے نتیجے میں اس کے ساتھ کام کرنے والے مزدوروں کو نقصان پہنچا ہے، اور مدعی علیہ غفلت مشترکہ کا سہارا لیتے ہوئے یہ ثابت کر سکے کہ چونکہ مدعی نے اپنی دفاع کے لئے وہ لازمی اقدامات نہیں اٹھائے جو عموماً لوگ اٹھاتے ہیں، جس کے نتیجے میں اس کو نقصان اٹھانا پڑا۔ یہی وہ صورت ہے جس کی بنیاد پر غفلت مشترکہ کا سہارا لیتے ہوئے مدعی علیہ خود کو اس نقصان کے ازالہ سے بچا سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں مدعی کی غفلت مذکورہ وقوعہ کی علت حادثہ بن رہی جس کی طرف نقصان کو منسوب کر کے مدعی علیہ کو بری الذمہ قرار دیا جائے گا۔^{xx}

مذکورہ قاعدہ کی تشریح اور اس کی اطلاقی و انطباقی صورتوں کو بیان کرنے کے ضمن میں دو طرفہ معاہدات اور ان کو یکطرفہ طور پر توڑنے سے فریق مخالف کو ہونے والے نقصانات اور اس کے ازالہ پر بھی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ پس اگر عام حالات میں کوئی معاہدہ طے پایا ہو اور وقت سے پہلے پہلے کوئی فریق اس کو توڑ دے، جس کے نتیجے میں فریق ثانی کا کوئی نقصان ہو جائے تو اس کا ازالہ اسی طریقہ کار اور انداز سے ہوگا جیسے عام نقصانات کے ازالہ کا طریقہ کار ہوتا ہے اور اس کے لئے اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر فریقین نے کوئی معاہدہ کیا اور اس کو یکطرفہ طور پر کسی فریق نے توڑا، جس کے نتیجے میں فریق ثانی کو نقصان اٹھانا پڑا تو اس کا ازالہ دو طریقوں سے کیا جاسکتا ہے۔ اول یہ کہ عمومی نقصان کا ازالہ ان شرائط پر کیا جائے جن کو معاہدہ کرتے وقت مقرر کیا گیا تھا کہ اگر کوئی وقت سے پہلے یہ معاہدہ توڑ دے تو اس کو اتنا اتنا نقصان

ادا کرنا پڑے گا، یہ اس صورت میں جب معاہدہ معمول کے مطابق حالات میں کیا گیا اور معمول ہی کے مطابق حالات میں توڑا بھی گیا ہو، لیکن اگر مخصوص حالات میں کوئی معاہدہ وجود میں آیا ہو اور اس کو توڑا جائے تو اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اگر کوئی معاہدہ مخصوص حالات اور شرائط کے تحت وجود میں آیا ہو یعنی معاہدہ کی بنیاد بھی یہی مخصوص حالات اور شرائط ہوں اور مدعی نے مدعی علیہ کو ان حالات اور شرائط سے باخبر بھی رکھا تھا لیکن پھر بھی اس نے معاہدہ کی پاسداری نہیں کی اور اس کو توڑ کر مدعی کا نقصان کیا، تو مدعی علیہ کے ذمے ان مخصوص حالات اور شرائط کے تحت مدعی کے اس نقصان کی تلافی کرنا لازم ہوگی، یہ اس صورت میں جب دونوں فریق ان مخصوص حالات اور شرائط سے باخبر ہوں، لیکن اگر فریقین نے معاہدہ کیا اور ان میں سے کسی کو ان مخصوص حالات اور شرائط کا علم نہیں تھا، اس کے بعد اس نے معاہدہ توڑ کر دوسرے فریق کا نقصان کیا، تو اس صورت میں اس پر عمومی حالات کی طرح نقصان کی تلافی لازم ہوگی۔

مثلاً ایک شخص نے دوسرے شخص سے بات کی کہ میرا یہ سامان فلاں وقت پر آپ نے فلاں جگہ پہنچانا ہے یا کسی کو کہا کہ میرا یہ سودا فلاں جگہ پر فلاں وقت میں بیچنا ہے اور وہ وقت مقرر پر مذکورہ سامان کو پہنچا نہ سکا یا بیچ نہ سکا، جس کی وجہ سے مالک کو نقصان ہوا، اب اگر مثلاً مالک نے اس کو یہ نہ بتایا ہو کہ یہ خاص قسم کا سامان ہے اور اس کو فلاں شخص تک پہنچانا ہے، اس سے میری بات ہوئی ہے اور اس کو اسی وقت اس سامان کی ضرورت ہے، وقت مقرر پر نہ پہنچانے کی صورت میں اس سامان کی قیمت کم ہوئی، تو پہنچانے والے یا فروخت کرنے والے کو عام حالات میں مارکیٹ کی ریٹ کے حساب سے یہ تاوان ادا کرنا پڑے گا، لیکن اگر سامان لے جانے والے یا فروخت کرنے والے کو مذکورہ بالا باتوں کا علم ہو کہ مالک سامان اور خریدار کا معاہدہ ہوا ہے اور خریدار ایک خاص مقصد کے لئے اس سامان کو خرید رہا ہے، پھر بھی یہ سامان وہاں نہ پہنچ سکا، اور مالک کا سامان اس کو فروخت نہ کر سکا، بعد میں اس کی قیمت کم ہو گئی تو چونکہ یہ ایک مخصوص حالت اور مخصوص معاہدہ تھا اور ان دونوں کو اس بارے میں علم بھی تھا لہذا اب عمومی نقصانات کی طرح اس کا ازالہ نہیں ہوگا بلکہ اس معاہدہ کی پاسداری نہ کرنے کی صورت میں جتنا نقصان ہوا ہے مدعی علیہ پر اس کی ادائیگی لازم ہوگی، چاہے اس کی مقدار عام حالات یا مارکیٹ ریٹ سے زیادہ

مذکورہ بحث کے بعد ہر برٹ بروم نے ان صورتوں پر بھی گفتگو کی ہے جہاں پر قاعدہ مذکورہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، مثال کے طور پر اگر کسی معاملہ یا کارروائی کی بنیاد فراڈ اور دھوکہ پر ہو اور اس میں کسی کا کوئی نقصان ہو جائے تو وہاں پر مذکورہ قاعدہ کا اطلاق نہیں ہوتا کہ علت حادثہ کا لحاظ کر کے معاملہ نمٹا یا جائے بلکہ:

“The law will look to the corrupt beginning and consider it as one entire act...”^{xxii}

یعنی قانون مذکورہ حادثہ یا نقصان کی علت حادثہ کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کرے گا بلکہ اس کی بنیاد تک پہنچ کر دھوکہ دہی اور فراڈ کو بے نقاب کر کے بالفاظ دیگر علت قدیمہ کا لحاظ کرتے ہوئے معاملے کا تصفیہ کرنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اس سلسلے میں قانون کا مشہور اصول ہے:

“Fraud is not purged by circuitry”^{xxiii}

یعنی کسی معاملے میں ببرا پھیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فراڈ اور دھوکہ کی صفائی کے لئے راستہ ہموار نہیں کیا جاسکتا، معلوم ہوا کہ یہاں پر علت حادثہ کی بجائے علت قدیمہ کا لحاظ رکھا جائے گا کیونکہ مذکورہ صورت میں ”علت حادثہ“ والا قاعدہ اور قانون لاگو نہیں کیا جاسکتا۔

قاعدہ مذکورہ کی دوسری استثنائی صورت جس کو ”Lord Bacon“ نے ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ قاعدہ ہذا کا اطلاق عموماً فوجداری مقدمات میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہاں پر اصل اور بنیادی چیز، جس پر مقدمہ کا دارومدار ہوتا، مجرم کی نیت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہاں پر علت حادثہ کی بجائے نیت اور نیت پر دلالت کرنے والی چیز کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اس حوالے سے لکھتے ہیں:

“Therefore, the first motive, as showing the intention, must be principally regarded”^{xxiv}

یعنی فوجداری مقدمات میں چونکہ نیت اصل ہوتی ہے لہذا وہاں پر ہر اس محرک کا لحاظ رکھا جائے گا جو نیت پر دلالت کرے، پس یہ قاعدہ مذکورہ کی ایک اور استثنائی صورت ہوئی جس میں علت حادثہ کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ نیت یا اس کے محرک کو دیکھا جاتا ہے کیونکہ فوجداری مقدمات میں پورے مقدمے کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے، لیکن یہاں پر یہ بات سمجھنا ہے حد ضروری ہے کہ چونکہ نیت ایک امر مبطن (پوشیدہ اور مخفی چیز) ہے، جس تک بلا واسطہ رسائی حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے، اسلئے

نیت کے قائم مقام دوسری چیز کو تلاش کر کے اس کی بنیاد پر نیت کو معلوم کرنے یا نیت صحیح اور نیت بد کے تعین کی کوشش کی جائے گی، جیسے اقسام قتل کا تعین نیت قاتل کے ذریعے کیا جاتا ہے، کہ کون سا قتل عمد ہے اور کون سا قتل خطا ہے وغیرہ، لیکن امر مبطن ہونے کی وجہ سے کسی کی نیت معلوم نہیں کی جاسکتی ہے اس لئے نیت کے قائم مقام (آلہ قتل) کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے کہ قاتل کی نیت کیا تھی؟ اگر قتل میں ایسا آلہ استعمال ہوا ہے جو صرف قتل ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور جس کی مار سے انسانی اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوں جیسے بندوق، تلوار، کلہاڑا وغیرہ تو وہ قتل عمد ہی ہوگا چاہے قاتل لاکھ بار کہے کہ میری نیت قتل کی نہیں تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دوسرے شواہد اور صورت حال کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، البتہ اگر قتل کسی ایسے آلے سے واقع ہوا ہو جو عموماً قتل میں استعمال نہیں ہوتا تو وہاں پر قاتل کے لئے نرمی کی گنجائش نکلتی ہے کہ شاید اس کی نیت قتل کی نہیں تھی کیونکہ نیت کا قائم مقام (یہ آلہ) قتل میں عموماً استعمال نہیں ہوتا۔ اور اسی گنجائش کے نتیجے میں قاتل دیت کی ادائیگی کے بعد قصاص سے بچ جاتا ہے اور اس کو گویا دوبارہ زندگی مل جاتی ہے پس چونکہ فوجداری مقدمات کا زیادہ تر دارومدار نیت پر ہوتا ہے، اسلئے ان میں نیت، محرک نیت یا قائم مقام نیت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے یہاں پر ہر جگہ علت حادثہ کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں۔

بطور مثال اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ مثلاً ایک شخص دشمنی یا عداوت کی بنیاد پر دوسرے شخص کو مارنے کی نیت سے اس پر پستول سے فائرنگ کرتا ہے اور وہ بچ جاتا ہے، اس کے بعد شخص اول پستول پھینک کر بھاگ نکلتا ہے اور شخص ثانی اس کو پکڑنے یا مارنے کی نیت سے اس کا تعاقب کرتا ہے، اس دوران شخص اول پلٹ کر شخص ثانی کو خنجر مار کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

مذکورہ صورت میں اگر قانون علت حادثہ کی بنیاد پر فیصلہ کرے تو شخص اول یہ کہہ کر خود کو بچا سکتا ہے کہ میں نے اپنی دفاع میں شخص ثانی کو قتل کیا ہے (کیونکہ وہ میرا تعاقب کرتا ہوا مجھے مارنے کے درپے تھا) لیکن ایسی صورتوں میں قانون کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ محض علت حادثہ کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ علت قدیمہ کا لحاظ کر کے اس جرم کی بنیاد تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہاں علت قدیمہ کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شخص اول اس صورت میں دفاع کا سہارا لیتے

ہوئے خود کو نہیں بچا سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی اس نیتِ قتل کا نتیجہ تھا جو فائرنگ کے وقت اس کے دل و دماغ میں تھی اور وہ شخص ثانی کے قتل کے لئے محرک بنی ہوئی تھی۔^{xxv}

معلوم ہوا کہ فوجداری مقدمات میں عموماً علتِ حادثہ کی بنیاد پر قانون فیصلے نہیں کرتا ہے بلکہ وہ علتِ قدیمہ اور دیگر متعلقہ شواہد اور تفصیلات کا بھی لحاظ کر کے جرم کی سزا کا تعین کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس استثنائی صورت میں مزید استثناء اور تقیید کرتے ہوئے ہربرٹ بروم کہتے ہیں کہ فوجداری مقدمات میں بھی یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ علتِ قدیمہ کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے، بلکہ کبھی کبھار علتِ قدیمہ کو بنیاد بنا کر فیصلہ کرنا درست نہیں ہوتا۔ اس کی نظیر یہ بیان کی گئی ہے کہ مثلاً کچھ لوگوں کو سڑک یا شارع عام کی مرمت کا کام سونپا گیا اور انہوں نے بروقت وہ مرمت نہیں کی بلکہ اپنی قانونی اختیارات کا سہارا لے کر اس میں تاخیر کردی، اس دوران ایک بندہ سفر کرتے ہوئے سڑک کی خرابی اور اپنی غفلت کی وجہ سے حادثے کا شکار ہوا، صورتِ مذکورہ میں مرمت پر مامور عملہ کے خلاف فردِ جرم عائد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سڑک کی مرمت سے غفلت اس حادثے کی علتِ قدیمہ ہے اور حادثہ کا شکار ہونے والے شخص کی غفلت مذکورہ حادثہ کی علتِ حادثہ ہے، پس اس وقوعہ کو اسی علتِ حادثہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ یہ شخص اپنی لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے اس حادثے کا شکار ہوا ہے:

“The death must be the immediate cause of that personal neglect”^{xxvi}

معلوم ہوا کہ کبھی کبھار موت، جو کہ ایک فوجداری مقدمہ ہے، میں بھی علتِ حادثہ کو معتبر مانا جاتا ہے جو کہ قاعدہ مذکورہ کے بالکل عین موافق جبکہ فوجداری مقدمات میں ایک استثنائی صورت کی حیثیت رکھتا ہے۔

اطلاقات و تطبیقات از مجلۃ الأحکام العدلیۃ بابت قاعدہ مذکورہ

”Broom’s Legal Maxims“ کی روشنی میں قاعدہ مذکورہ کی اطلاقی اور تطبیقی صورتوں کو ذکر کرنے کے بعد

”مجلۃ الأحکام العدلیۃ“ کی متداول شروحات کے تناظر میں متعلقہ قاعدہ کے اطلاقات کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ تشریعِ اسلامی میں مذکورہ قاعدہ کو کہاں کہاں،

اور کن کن شرائط و ضوابط کے ساتھ کیسے پروا ن چڑھایا گیا ہے؟

”مجلۃ الأحکام العدلیۃ“ میں متعلقہ قاعدہ، بذیل عنوان مادہ: 11 کے مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے:

”الأصل إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته“^{xxvii} یعنی اصول یہ ہے کہ نئے پیدا شدہ امور کو ان کے قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ دراصل ”المجلۃ“ ہی میں بذیل عنوان مادہ: 9 کے ایک اور قاعدہ مذکور ہے جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں ”الأصل في الصفات العارضة العدم“^{xxviii} یعنی عارضی صفات میں اصول یہ ہے کہ ان کو معدوم مانا جائے۔

یہاں پر سب سے پہلے صفات کی دو اقسام صفاتِ اصلية اور صفاتِ عارضہ کا سمجھنا ضروری ہے، پس کسی چیز کی وہ صفت جو اس کے ساتھ لازم ہو اور وہ متعلقہ چیز سے جدا نہ ہوسکتی ہو وہ ”صفتِ اصلی“ ہوتی ہے اور اگر کوئی صفت کسی چیز کے ساتھ لازم نہ ہو بلکہ اس چیز کے بغیر بھی اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہو تو اس کو ”صفتِ عارضی“ کہا جاتا ہے، اس سلسلے میں محمد خالد الاتاسی لکھتے ہیں:

”الصفة العارضة هي بمقتضى الأصل، إنسلا ب الموصوف عنها، وعكسها الصفة الأصلية“^{xxix}

یعنی عارضی صفت، ہر وہ صفت ہوتی ہے جس کو موصوف سے جدا کیا جاسکتا ہو، اور جو موصوف سے جدا نہ ہوسکے وہ اصلی صفت ہوتی ہے، بالفاظِ دیگر موصوف کی اصل خلقت جس صفت کا تقاضا کرے وہ ”اصلی صفت“ ہوگی اور اس کے برعکس ”عارضی صفت“ ہوگی، جیسے مبیع کا تمام عیوب سے پاک ہونا ”صفتِ اصلی“ ہے جبکہ مبیع کا عیب دار ہونا ”صفتِ عارضی“ ہے کیونکہ مبیع کی اصل خلقت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام عیوب سے پاک ہو، جبکہ عیب کا وجود اصل خلقت کے خلاف ہے، پس ”سلامۃ المبیع عن العیوب“ مبیع کی صفتِ اصلیه ہے اور اس کے برعکس ”وجود العیب فی المبیع“ مبیع کی ”صفتِ عارضہ“ ہے۔

مذکورہ بالا گفتگو کے بعد اب اصل مدعا کو ذکر کیا جا رہا ہے اور وہ یہ کہ ”المجلۃ“ میں مادہ: 9 کے تحت جن عارضی صفات کو ذکر کیا گیا ہے، مادہ: 11 کے تحت ذکر ہونے والے حادث کا شمار بھی ان عارضی صفات ہی میں ہوتا ہے، جن کے لئے اصول یہ طے کیا گیا ہے کہ ان کو معدوم قرار دیا جائے، البتہ

دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مادہ: 9 میں مذکور صفات کے وجود اور عدم میں اختلاف تھا اور اس صورت میں ”جانبِ عدم“ راجح قرار دیا جاتا تھا جبکہ یہاں پر جس حادث (عارضی صفت) کو بیان کیا جا رہا ہے اس کا وجود اتفاقی ہوتا ہے، اس کے وجود میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا کہ یہ صفت (حادث) پیدا ہوئی ہے یا نہیں، بلکہ یہ ایک اتفاقی امر ہوتا ہے کہ یہ پیدا ہوئی ہے البتہ اختلاف اس کے زمانہ پیدائش میں ہوتا ہے، کہ یہ پیدا تو بہر حال ہوئی ہے لیکن اختلاف اس میں ہوتا ہے کہ پیدا کب ہوئی ہے؟ کوئی اس کی پیدائش زمانہ بعید کی طرف منسوب کرتا ہے تو کوئی زمانہ قریب کی طرف، پس جیسے مادہ 9: میں اصول یہ تھا کہ ”قائل بالعدم“ کا قول معتبر ہوگا بالکل ایسے ہی مادہ: 11 میں اصول یہ ہے کہ جو اس کے وجود کو ”زمانہ قریب“ کی طرف منسوب کرنے کا قائل ہو اسی کا قول معتبر ہوگا۔

اس وضاحت کے بعد مذکورہ قاعدہ کی اطلاقی اور انطباقی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے ذیل میں چند نظائر کو پیش کیا جا رہا ہے تاکہ قاعدہ ہذہ کی مزید تشریح کو ممکن بنایا جاسکے۔

”استوضح هذا فيمن أقر بدین لأحد ورثته ثم تُوفى“
 xxx یعنی مذکورہ قاعدہ کی وضاحت اس طرح پیش کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے کسی وارث کے لئے قرض کا اقرار کیا اور اس کے بعد وہ وفات پاگیا، کہ فلاں وارث کا میرے ذمے اتنا قرض ہے، اس کو ادا کیا جائے اور اسی اقرار کی حالت میں وفات پاگیا، کیونکہ رجوع عن الاقرار کی صورت میں اقرار کالعدم قرار دیا جاتا ہے، مقر (اقرار کرنے والے) کی وفات کے بعد باقی ورثاء نے دعویٰ کیا کہ یہ اقرار مرض الوفا کی حالت میں کیا گیا تھا جبکہ مقررہ (جس کے حق میں اقرار کیا گیا تھا) نے دعویٰ کیا کہ نہیں یہ اقرار زمانہ صحت میں کیا گیا تھا، اس صورت میں جب باقی ورثاء قسم اٹھائیں کہ یہ اقرار مرض الوفا میں ہوا ہے تو ان کا قول معتبر مان کر اس اقرار کو مرض الوفا کے زمانے کی طرف منسوب کیا جائے گا، البتہ اگر مقررہ اپنے دعویٰ پر کوئی گواہ پیش کرے تو پھر اس اقرار کو زمانہ صحت کی طرف منسوب کر کے مقررہ کا قول معتبر قرار دیا جائے گا۔

مذکورہ بالا نظیر پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ”اقرار بالذین“ ایک امر حادث ہے اور مرض الموت اس حادث کا قریبی زمانہ ہے جبکہ زمانہ صحت اس حادث کا بعید والا زمانہ ہے پس جیسے مادہ 9: میں ”قائل بالعدم“ کا قول معتبر مانا جاتا تھا اسی طرح یہاں پر اس قاعدہ کے تحت ”قائل

بأقرب الأوقات“ کا قول معتبر ہوگا جو کہ باقی ورثاء ہیں، کیونکہ وہ اس حادث (اقرار) کی نسبت حادث کے قریبی زمانہ (مرض الموت) کی طرف کر رہے ہیں جبکہ مقررہ اس کی نسبت بعید زمانہ (زمانہ صحت) کی طرف کر رہا ہے، البتہ اگر قریبی زمانہ کے برخلاف کوئی ایسی دلیل قائم ہو جو بعید زمانہ کو ترجیح دے رہی ہو تو اس صورت میں مذکورہ امر حادث کی اضافت اسی بعید زمانے کی طرف کی جائے گی جس کے موافق دلیل قائم ہوئی ہے جیسے اس مسئلہ میں اگر مقررہ اس بات پر کوئی گواہ پیش کرے کہ متوفی نے مذکورہ اقرار زمانہ صحت میں کیا تھا تو اب اس امر حادث کی اضافت زمانہ بعید (زمانہ صحت) کی طرف کی جائے گی کیونکہ ”إضافة إلى زمانٍ قريبٍ“ کے خلاف اب دلیل قائم ہوگئی، یہی مقصد

”المجلة“ کے ان الفاظ کا ہے ”مالم تثبت نسبتہ إلى زمانٍ بعيدٍ“

اسی طرح ہم مذکورہ اصول کو ”ہبہ“ پر بھی لاگو کر سکتے ہیں، کہ کوئی اپنے کسی وارث کے حق میں کسی چیز کے ہبہ کا اقرار کر کے فوت ہو جائے اور باقی ورثاء اس ”اقرار ہبہ“ کو مرض الوفا کی طرف جبکہ موہوب لہ (جس کے لئے ہبہ کا اقرار کیا گیا ہے) اس کو زمانہ صحت کی طرف منسوب کرنے کا دعویٰ رکھتے ہوں پس اگر باقی ورثاء قسم اٹھائیں تو اس اقرار ہبہ کو، جو کہ ایک امر حادث ہے، زمانہ قریب (مرض الوفا) کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اگر ورثاء یمین سے گریز کریں اور موہوب لہ اپنے مدعا پر گواہ پیش کرے تو مذکورہ حادث (اقرار ہبہ) کو زمانہ بعید (زمانہ صحت) کی طرف منسوب مانا جائے گا۔

اسی طرح خالد الاتاسی نے بدائع الصنائع کے حوالے سے مذکورہ قاعدہ کے فروع میں سے یہ مسئلہ بھی ذکر کیا کہ اگر مشتری بائع کو شراء المبیع کے وقت موجود تمام عیوب سے بری کر کے مبیع کو قبض کرے اور بعد میں کسی ایسے عیب کی بناء پر اس کی واپسی کا ارادہ رکھے جس کے بارے میں مشتری کا دعویٰ ہو کہ یہ بعد قبض المبیع پیدا ہوا ہے، اور اس کا شمار ان عیوب میں نہیں ہوتا جن سے میں نے بائع کو بری الذمۃ قرار دیا تھا، جبکہ بائع اس کے برعکس دعویٰ کر رہا ہے کہ نہیں یہ عیب قبل قبض المبیع موجود تھا اور اس کا شمار بھی ان عیوب میں ہوتا ہے جن کے حق میں مشتری نے برأت کی تھی، مذکورہ مسئلہ میں مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مبیع میں عیب کا آن موجود ہونا ایک امر حادث ہے اور مشتری اس کو

سکتے البتہ یقین کی بنیاد پر دوسرے یقین کو چھوڑ سکتے ہیں۔

” امر حادث کو قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا “ کی ایک نظیر یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر بیوی نے اپنے شوہر کو اپنا حق مہر معاف کر دیا اور اس کے بعد وہ فوت ہو گئی، شوہر نے دعویٰ کیا کہ بیوی نے برأۃ عن المہر زمانہ صحت میں کی تھی جبکہ زوجہ کے ورثاء نے دعویٰ کیا کہ نہیں بلکہ برأۃ عن المہر مرض الموت میں کی گئی ہے، اس صورت میں زوجہ کے ورثاء کا قول معتبر ہوگا کیونکہ إبراء عن المہر ایک امر حادث ہے جس کو شوہر زمانہ بعید (زمانہ صحت) کی طرف منسوب کر رہا ہے جبکہ زوجہ کے ورثاء اس کو زمانہ قریب (مرض الوفا) کی طرف منسوب کر رہے ہیں، فالقول لورثتہ۔^{xxxv}

اسی طرح اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دیدی اور اس کے بعد فوت ہوا، بیوی نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھے یہ طلاق مرض الموت میں دی ہے اور وہ مجھے وراثت سے محروم رکھنے کا ارادہ رکھتا تھا لہذا میں إمرأة الفار (میراث سے راہ فرار اختیار کرنے والی شوہر کی بیوی) ہوں مجھے میراث میں حصہ ملنا چاہئے، جبکہ شوہر کے ورثاء نے دعویٰ کیا کہ یہ طلاق زمانہ صحت میں دی گئی تھی، اس صورت میں بیوی کا قول معتبر ہوگا۔^{xxxvi}

کیونکہ طلاق ایک امر حادث ہے جسے باقی ورثاء زمانہ بعید (زمانہ صحت) کی طرف جبکہ بیوی اس کو زمانہ قریب (مرض الموت) کی طرف منسوب کر رہی ہے، اس لئے مذکورہ قاعدہ کے تحت بیوی کی بات کو درست مانا جائے گا۔

قاعدہ مذکورہ کی ایک نظیر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک حاملہ عورت کے پیٹ پر وار کیا، اس کے نتیجے میں اس کا بچہ (وقت سے پہلے) پیدا ہوا اور وہ ایک عرصے تک صحیح و سلامت انسان کی طرح جیتا رہا، اس کے بعد اچانک مر گیا، تو اس موت کا ضامن وہی وار کرنے والا شخص نہیں ہوگا کیونکہ ظاہر الحال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی موت اس وار کے نتیجے میں واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ کسی اور وجہ سے واقع ہو گئی ہوگی۔^{xxxvii}

مذکورہ نظیر میں وار کے نتیجے میں بچے کی پیدائش اس موت کی علت بعیدہ ہے لہذا مذکورہ قاعدہ کے تحت اسی علت بعیدہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اور وار کرنے والے کو برئ الذمہ قرار دیا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے غلام کو خرید لیا اور بعد میں

زمانہ قریب (بعد قبض المبیع) کی طرف منسوب کر رہا ہے جبکہ بائع اس کو زمانہ بعید (قبل قبض المبیع) کی طرف منسوب کر رہا ہے پس ظاہر بھی مشتری کے قول کے موافق ہے اس لئے مذکورہ قاعدہ کے تحت مشتری کے قول کو راجح قرار دیا جائے گا۔^{xxxix}

مذکورہ قاعدہ کی اگلی نظیر یہ ہے کہ اگر کنویں میں چوہا نظر آئے تو صاحبین کے نزدیک یہ ایک امر حادث ہے اور اس کو قریبی زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے نمازوں کی قضاء وغیرہ ضروری نہیں جبکہ امام ابو حنیفہ^{xxxii} کے یہاں تفصیل تھی کہ اگر چوہا صحیح سالم ہے تو ایک دن اور ایک رات کی نمازیں وغیرہ لوٹانا ضروری ہے اور اگر وہ پھولا پھٹا ہے تو تین دن اور تین راتوں کی نمازوں کا اعادہ ضروری ہوگا۔

وہاں پر یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ مذکورہ قاعدے کے تحت صاحبین کا قول قرین اصول ہے جبکہ امام صاحب کا قول بناء بر باب العبادات احتیاط پر مبنی ہے، اور قاعدہ ہذا کے تحت قائل بأقرب الأوقات کے قول کی وجہ ترجیح بھی ذکر کی گئی تھی کہ چونکہ اس کا قول امر اتفاقی اور امر یقینی پر مبنی ہوتا ہے جبکہ قائل بأبعد الأوقات کا قول امر اختلافی اور امر موبوم پر مبنی ہوتا ہے لہذا أقرب الأوقات والا قول راجح جبکہ بأبعد الأوقات والا قول مرجوح ہوگا۔

محمد خالد الاتاسی اس پر مزید تعریفات پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ” کمن شک فی رضاع أجنبية فإنه یحل له نکاحها، وإن کان الأفضل التّنزّه “^{xxxiii} اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کسی اجنبی عورت کے رضاعت کے شک میں مبتلا ہو جائے (کہ مثلاً یہ میری رضاعی بہن ہے) اس صورت میں اس کے لئے مذکورہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہوگا، کیونکہ یہ اجنبی عورت یقینی طور پر دیگر بناتِ آدم کی طرح اس شخص کے لئے حلال ہے، پس محض شک رضاعت کی بنیاد پر اس یقینی حلت کو زائل نہیں کیا جاسکتا، یہ اس صورت میں جب رضاعت محض شک پر مبنی ہو البتہ اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس میں رضاعت یقینی ہو جیسے کوئی قطعی رضاعی بہن مثلاً دوسری اجنبی غیر رضاعی عورتوں کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ ان میں تمیز کرنا مشکل ہو، اس صورت میں مذکورہ شخص کے لئے ان تمام عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں پر یقین کا مقابلہ یقین کے ساتھ آگیا، پس احتیاط کی بنیاد پر جانبِ حلت کے مقابلے میں جانبِ حرمت کو ترجیح دی جائے گی۔^{xxxiv}

معلوم ہوا کہ شک کی بنیاد پر یقین کو نہیں چھوڑ

معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے، پھر مشتری کے یہاں وہ مر گیا تو وہ بائع سے اپنے پیسے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ اس کی بیماری میں شدت مشتری کے ہاں آئی ہو اور بیماری کی اسی شدت کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی ہو، پس اس کی موت کو بائع کے یہاں بیماری کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔^{xxxviii}

یہاں پر غلام کی موت کی دو علتیں بن رہی ہیں :

① بائع کے یہاں بیماری

② مشتری کے یہاں بیماری میں اضافہ

اور بائع کے یہاں بیماری غلام کی موت کے لئے علتِ قدیمہ / بعیدہ ہے جبکہ مشتری کے یہاں اس مرض میں اضافہ غلام کی موت کے لئے علتِ حادثہ / جدیدہ ہے لہذا قریبی زمانہ میں علتِ حادثہ کا اعتبار کرتے ہوئے مشتری اپنے غلام کی موت کا نقصان بائع سے وصول نہیں کرسکتا ہے۔

قاعدہ مذکورہ کی استثنائی صورتیں:

اکثر فقہاء اور اصولیین نے کئی ایک نظائر ایسی پیش کیں ہیں جہاں پر مذکورہ قاعدہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، مثلاً علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے مرض الموت میں دوسرے شخص کو کوئی رقم یا اور کوئی چیز ہبہ کی، اس کے بعد اس مریض کو کسی نے قتل کیا یا وہ چھت سے گر گیا یا پانی میں ڈوب کر فوت ہوا تو مذکورہ ہبہ کا شمار ثلث المال (تہائی مال) میں بطور وصیت کیا جائے گا، یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کہ اس نے مرض الموت میں ہبہ کیا اور پھر اسی مرض میں فوت ہوا (تو وہاں پر اس کو ثلث المال میں شامل کیا جاتا ہے ایسے ہی یہاں پر قتل اور چھت سے گرنے کی صورت میں بھی مذکورہ ہبہ کو ثلث المال ہی میں شامل کیا جائے گا)۔^{xxxix}

مذکورہ صورت میں ہبہ ایک امر حادث ہے جس کو قاعدہ سابقہ کے موافق اقرب الأوقات (قتل یا سقوط من السطح) کی طرف نہیں بلکہ أبعد الأوقات (مرض الموت) کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کے ہاتھ پر وار کر کے اس کو زخمی کیا اور وہ گل سڑ کر گر گیا تو اس صورت میں وار کرنے والے کا ہاتھ بھی بطور قصاص کاٹا جائے گا۔^{xl}

اس نظیر میں ہاتھ کے کٹ کر گرنے کی دو وجوہات ہیں: 1: وار کے نتیجے میں زخمی ہونا

2: گل سڑ کر گرجانا

قاعدہ سابقہ کے تناظر میں اقرب الأوقات کی طرف اس جرم کو منسوب کر کے وار کرنے والے کو ہاتھ کے کٹ جانے سے بچایا نہیں جاسکتا بلکہ اسی جنایت کی طرف اس کو منسوب کر کے جانی کا ہاتھ بھی قصاصاً کاٹا جائے گا۔ لیکن آگے علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”قلت: هذه لا تستثنى، لأنّ باب القصاص كلّ كذاك“^{xli}

یعنی مذکورہ نظیر قاعدہ سابقہ کی استثنائی صورت نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق باب القصاص سے ہے، جس میں کسی وقوعہ کو ”اقرب الأوقات“ کی بجائے ”أبعد الأوقات“ کی طرف منسوب کرنے کا اصول مقرر ہے، جیسے کوئی کسی کو مارے یا زخمی کرے اور اس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو جائے (چاہے درمیان میں کافی عرصہ کیوں نہ گزرا ہو) تو جانی کو قصاصاً مارا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ جیسے علامہ سیوطی باب القصاص کو مذکورہ قاعدہ سے مستثنیٰ قرار دے چکے ہیں اسی طرح ”Lord Bacon“ نے بھی فوجداری قانون (Criminal Law) کو مذکورہ قاعدہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ کیونکہ مذکورہ قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ فقہ اسلامی اور قانون خود کو علتِ حادثہ تک محدود رکھے اور اس کے مطابق وقوعہ کا حکم لگا کر معاملہ کا تصفیہ کرے لیکن باب القصاص اور فوجداری قانون میں علتِ العلل اور عللِ بعیدہ کو بھی معتبر مانا جاتا ہے لہذا باب القصاص کے ساتھ ساتھ فوجداری قانون میں مذکورہ قاعدہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔

علامہ ابن نجیم الحنفی نے بھی کئی ایک نظائر کو مذکورہ قاعدہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی قاضی کو معزول کیا گیا اور اس کے بعد اس نے کسی شخص کو کہا کہ میں نے تم سے جو ہزار روپے لئے تھے، تمہارے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے ان کو میں نے زید کے حوالے کیا تھا، اس شخص نے کہا کہ نہیں آپ نے مجھ سے یہ پیسے معزول ہونے کے بعد ظلماً لئے ہیں، یہاں پر قاضی کا قول معتبر ہوگا، حالانکہ قاعدہ مذکورہ کا تقاضا یہ ہے کہ قاضی کی بجائے اس شخص مذکور کی بات مانی جائے کیونکہ وہ اس امر حادث کو زمانہ قریب (معزولی کے بعد) کی طرف منسوب کر رہا ہے، لیکن یہ مذکورہ قاعدہ کی ایک استثنائی صورت ہے کیونکہ قاضی نے اس واقعہ کو ایک ایسے وقت (قبل العزل) کی طرف منسوب کیا ہے جس میں قاضی کو ضامن نہیں ٹھہرا جاسکتا۔^{xlii}

اسی طرح اگر کوئی ذمی فوت ہو جائے اور اس کی بیوی دعویٰ کرے کہ میں نے شوہر کی وفات کے بعد

بینہا “^{xlvi} کیونکہ اگر تمام متعلقہ تفصیلات مستحضر نہ ہوں تو انسان متعلقہ قاعدہ کی بجائے غیر متعلقہ قاعدہ کا اطلاق کر کے غلط حکم لگانے اور اس پر مرتب ہونے والے غلط نتائج کا شکار ہوسکتا ہے، اس قسم کی غلطیوں سے بچنا از بس ضروری ہے، جس کے لئے استاد مصطفیٰ الزرقا نے ایک اصول ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں۔ ”وإن لهذه القاعدة مستثنیات كثيرة، لأنها مقيدة في نظر الفقهاء بأن الحادث إنما يضاف إلى أقرب أوقاته مالم تؤد هذه الإضافة إلى نقض أمر ثابت“^{xlvi} یعنی وقوعہ کی اضافت تب قریب ترین وقت کی طرف کی جائے گی جب اس اضافت کی وجہ سے طے شدہ اصول اور ثابت شدہ امور کی نفی لازم نہ آرہی ہو، بالفاظ دیگر اس قاعدے کے اطلاق کی وجہ سے اگر دوسرے قواعد کی نفی ہو رہی ہو تو مذکورہ قاعدہ پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ لہذا ان قواعد کے اطلاقات اور انطباقی صورتوں کی ”Case to Case Study“ فقہی اور قانونی اصول پر مکمل دسترس اور مضبوط ملکہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ حتی الامکان غلط احکام اور ان پر مرتب ہونے والے نتائج سے بچا جاسکے۔

ہر برٹ بروم اور ”مجلة الاحكام العدلية“ کے مذکورہ قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی تشريع کے ماہر جسٹس عبدالقادر عودہ نے فوجداری تشريع (Criminal Legislation) کے مشہور ضابطہ ”لاريجية في التشريع الجنائي“¹ یعنی فوجداری تشريع رجعی تاثیر نہیں رکھتی ہے یا کسی نص حادث (Current Text) کو سابقہ واقعات پر لاگو اور منطبق نہیں کیا جاسکتا، پر بھی گفتگو کرتے ہوئے اس کی مزید وضاحت پیش کی ہے۔ فاضل عبدالقادر عودہ کے نزدیک مذکورہ ضابطہ کے لئے اساس وہ آیات الاحکام اور ان کے اسباب نزول ہیں جن کا تعلق جنایات کے باب سے ہے۔ اس قاعدہ کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی واقعہ یا جرم پر نزول نص سے پہلے سزا نہیں دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن میں کئی مواقع پر کسی چیز کی تحریم کے نزول کے بعد ”إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یعنی آج کے بعد یہ کام نہیں کرنا البتہ جو ہوگیا سو ہوگیا مثلاً شریعت میں منکوحۃ الأب کے ساتھ نکاح کرنا جرم قرار دیا گیا لقولہ تعالیٰ:

”وَلَا تَنْكُحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا“^{li} پس جن لوگوں نے مذکورہ نص سے پہلے اس جرم کا ارتکاب کیا ہوا تھا انہیں کسی بھی قسم کی سزا نہیں دی گئی، یہی مطلب ”إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ“ کے الفاظ کا ہے، معلوم ہوا کہ جنائی لحاظ سے مذکورہ حکم کی بنیاد پر گزشتہ جرائم

اسلام قبول کیا ہے (لہذا اتحاد دین کی وجہ سے مجھے اس کی وراثت میں حصہ ملنا چاہئے) جبکہ اس ذمی کے باقی ورثاء نے دعویٰ کیا کہ نہیں آپ نے اس کی موت سے پہلے اسلام قبول کیا تھا (لہذا اختلاف دین کی وجہ سے تم اس کی وارث نہیں بن سکتی) اس صورت میں ورثاء کا قول معتبر ہوگا، اگرچہ قاعدہ مذکورہ کا تقاضا یہ کہ بیوی کا قول معتبر ہو (کیونکہ وہ اس کو امرحادث (قبول اسلام) کو زمانہ قریب کی طرف منسوب کر رہی ہے) یہی امام زفر^{xliii} کی بھی رائے ہے، لیکن دوسرے فقہاء نے قاعدہ مذکورہ پر عمل نہیں کیا بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ چونکہ اس بیوی میں زمانہ موجودہ میں وارثہ بننے کی صلاحیت موجود نہیں ہے، لہذا اسی کے مطابق زمانہ سابقہ میں بھی اس کو میراث سے محروم گردانا جائے گا۔^{xliii} گویا کہ مذکورہ نظیر میں فقہاء اور اصولیین نے

”إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته“ کی بجائے ”الأصل بقاء ما كان على ما كان“^{xliii} پر عمل کیا ہے۔

اس سلسلے کی ایک استثنائی صورت شارح مجله علی حیدر نے ذکر کی ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کے حق میں کسی چیز کا اقرار کرچکا ہو اور اقرار کرنے والا (مذکورہ اقرار سے بچنے کے لئے) بعد میں کہنے لگا کہ یہ اقرار تو میں نے زمانہ طفولیت میں کیا تھا (لہذا یہ اقرار کالعدم ہے کیونکہ اقرار الطفل کی کوئی شرعی حیثیت ہی نہیں ہوتی) او ر مقررہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ نہیں بلکہ آپ نے یہ اقرار زمانہ بلوغ میں کیا تھا، اس صورت میں اقرار کرنے والے کا قول مع الیمین معتبر ہوگا، حالانکہ قاعدہ مذکورہ کے موافق مقررہ کا قول معتبر ہونا چاہئے کیونکہ وہ اس امر حادث (اقرار) کو زمانہ قریب (زمانہ بلوغ) کی طرف منسوب کر رہا ہے (جیکہ اقرار کرنے والا اس کو زمانہ بعید (زمانہ طفولیت) کی طرف منسوب کر رہا ہے) لیکن یہ قاعدہ مذکورہ کی ایک استثنائی صورت ہے کیونکہ یہاں پر ایک دوسرے قاعدے ”الأصل براءة الذمة“^{xliii} کے تحت اقرار کرنے والے کی بات کو معتبر مانا گیا ہے۔^{xliii}

مذکورہ استثنائی صورتوں اور نظائر کو ذکر کرنے کے بعد یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ کسی حادثہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے نہایت دقیق نظر اور گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے، کیونکہ ان قواعد کے اطلاق اور تطبیق کے دوران معمولی لغزش بھی بڑی غلطی کے لئے پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن نجیم نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے: ”وتحتاج هذه المسائل إلى نظر دقيق للفرق

پر سزائیں نہیں دی گئیں البتہ وہ لوگ جو نزول نص کے بعد اس قسم کے عقد نکاح برقرار رکھے ہوئے تھے ان کے درمیان تفریق ضرور کی گئی۔

اسی طرح شریعت مطہرہ میں ”جمع بین الأختین“ حرام اور قابل سزا جرم ہے لقولہ تعالیٰ: وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ^{lvi} لیکن جن لوگوں نے مذکورہ نص سے پہلے دو بہنوں سے نکاح کیا تھا ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی لقولہ تعالیٰ: إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

یا جیسے اسلام میں بیک وقت چار سے زائد نکاح کرنا حرام ہے لقولہ تعالیٰ: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنً وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ^{lviii} حالانکہ عرب معاشرے میں چار سے زائد بیویوں کو رکھنے کا عام رواج تھا، لیکن اس نص کے نازل ہونے کے بعد سابقہ اضافی نکاح پر کسی کو بھی سزا نہیں دی گئی، البتہ نزول نص کے بعد جن کے نکاح میں دو بہن یا چار سے زائد بیویاں موجود تھیں ان کے درمیان تفریق ضرور کی گئی، معلوم ہوا کہ فوجداری لحاظ سے ان نصوص کی رجعی تاثیر پر عمل نہ کرتے ہوئے کسی کو کوئی سزا نہیں دی گئی، البتہ معاشرتی لحاظ سے ان نصوص کی رجعی تاثیر پر عمل کرتے ہوئے نزول نص کے بعد موجود ممنوع اور حرام عقود کو کالعدم قرار دیا گیا۔

یہی حال تحريم الخمر والميسر، تحريم الربو اور حد سرقہ کے سلسلے میں نازل ہونے والے نصوص کا بھی ہے کہ ان محرمات کے ساتھ مرتکبین کو نزول نص کے بعد کسی قسم کی کوئی سزا نہیں دی گئی، یہی مقصد اور مراد اس اصول کا بھی ہے کہ ”لاحکم لأفعال العقلاء قبل ورود النص“^{liv} یعنی نص کے نزول سے پہلے کسی عاقل بالغ اور مکلف شخص کے کسی فعل پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ یہ نصوص فوجداری لحاظ سے رجعی تاثیر نہیں رکھتے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد فاضل عودہ نے ”لارجعیۃ فی التشريع الجنائی“ کی کچھ استثنائی ایسی صورتیں ذکر کی ہیں جہاں پر تشريع جنائی کی رجعی تاثیر کو ثابت کیا گیا ہے، یعنی بعض استثنائی صورتیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جہاں پر کسی نص جدید (Current Text) کو سابقہ وقوعہ (Remote Event) پر منطبق کیا جاسکتا ہے، پس وہ پہلی صورت جہاں پر فوجداری تشريع کی رجعی تاثیر کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے، یہ ہے کہ جرم کی نوعیت یا وقوعہ ایسا ہو جس سے بڑا نقصان واقع ہو رہا ہو یا اس کی وجہ سے معاشرتی اور سماجی امن کے تہہ وبالا ہونے کا قوی امکان موجود ہو یا پھر یہ جرم کسی بڑے فساد کے لئے پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہو، تو ان تمام صورتوں میں

فوجداری تشريع کی رجعی تاثیر کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس استثنائی صورت پر جو نظائر پیش کئے جاسکتے ہیں ان میں سے قذف، حرابہ اور ظہار کے جرائم شامل ہیں مثلاً اگر شان نزول سے متعلق مفسرین کی مختلف آراء اور مرجوح اقوال کو نظر انداز کرتے ہوئے واقعہ افک کو دیکھا جائے تو اس کے بعد نازل ہونے والا نص وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً^{lv} میں قذف کی جس سزا کا بیان ہے، اس کی رجعی تاثیر پر عمل کرتے ہوئے نبی علیہ السلام نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والے لوگوں پر ”حد قذف“ جاری کی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ایک ایسا جرم تھا جس کے نتیجے میں اس وقت کا پورا اسلامی معاشرہ لرز اٹھا اور تمام مسلمانوں میں نہایت بے چینی اور اضطراب پھیل گیا، یہاں تک کہ بات خانہ جنگی تک پہنچ گئی جیسا کہ بخاری کی روایت میں تفصیل سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا واقعہ خود ذکر کیا ہے کہ جب لوگوں میں میری تہمت سے متعلق باتیں کافی مشہور ہوکر پھیل گئیں تو نبی علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوکر فرمانے لگے کہ کون اس بندے (یعنی عبداللہ بن ابی ابن سلول^{lvi}) کا علاقہ کر سکتا ہے جس نے میری اہلیہ سے متعلق باتیں بنا کر مجھے نہایت اذیت اور تکلیف پہنچائی ہے حالانکہ میں اپنی اہلیہ اور اس شخص (صفوان بن معطل السلمی ثم الذکوانی^{lvii}) کے بارے میں صرف خیر کا گمان کر سکتا ہوں، یہ سن کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ^{lviii} کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں اس بندے کا علاج کر سکتا ہوں اگر اس کا تعلق اوس قبیلہ (جو کہ میرا قبیلہ ہے) سے ہے تو میں اس کا گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے انصاری بھائیوں کے خزر ج سے اس کا تعلق ہو تو صرف آپ کے حکم کا انتظار رہے گا، آپ علیہ السلام جو حکم دیں گے اس پر عمل کروں گا، یہ سن کر خزر ج کے سردار سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے، جو کہ نہایت صالح انسان تھے لیکن اس وقت عصبیت کا شکار ہوکر کہنے لگے کہ تو جھوٹ بولتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم تم اس کو قتل نہیں کر سکتے، یہ سن کر سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ^{lix} کھڑے ہوئے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ^{lx} کو مخاطب کرکے کہنے لگے کہ جھوٹ تو تم بولتے ہو اللہ تعالیٰ کی قسم ہم ضرور اس شخص کو قتل کریں گے، تم منافق ہو اور منافقین کی طرفداری کر رہے ہو، اس کے بعد جانبین سے اوس اور خزر ج کے لوگ کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ جنگ برپا ہوتی لیکن نبی علیہ السلام

اس سلسلے کی تیسری کڑی آیاتِ ظہارؑ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ذَلِكُمْ تَوْعُظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (3) فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ (4) lxv

کا نزول ہے جو کہ خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا lxvi اور اس کے شوہر اوس بن صامت رضی اللہ عنہ lxvii کے بارے میں نازل ہوئیں تھیں اور نبی علیہ السلام نے ان نصوصِ حادثہ (آیاتِ ظہار) کو واقعہ سابقہ (ظہار) کے مقدمہ میں نافذ فرمایا تھا، معلوم ہوا کہ اگر کوئی جرم سنگین نوعیت کا ہو یا پھر مصلحتِ عامہ کے تقاضوں کا کوئی داعیہ موجود ہو تو اس صورت میں نصوصِ حادثہ کے لئے رجعی تاثیر کو ثابت کرتے ہوئے ان کو سابقہ جرائم کے مقدمات میں نفاذ کے کئی نظائر اور مثالیں موجود ہیں، اگرچہ واقعہ افک اور واقعہ عرنین سے متعلق ایک دوسری رائے بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ دونوں سزائیں سببِ نزول کے اعتبار سے نصوصِ حادثہ کے تقریباً ملحق تھیں بلکہ یہ دونوں جرائم سابقہ ان نصوصِ حادثہ کے نزول کے لئے اسباب بن گئے یعنی جرمِ قذف حدِّ قذف کے بارے میں نازل ہونے والے نص جبکہ جرمِ حرابہ حدِّ حرابہ کے بارے میں نازل ہونے والے نص کے لئے سبب بن گیا، پس جرمِ قذف اور جرمِ حرابہ کی حیثیت ”سبب“ کی جبکہ حدِّ قذف اور حدِّ حرابہ کی حیثیت ”مسبب“ کی ہوگئی، حالانکہ یہ معلوم اور مشہور اصول ہے کہ سبب اور مسبب کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سبب اور مسبب کا انفصال شبہ کو جنم دیتا ہے جس کی وجہ سے حدود ساقط ہوجاتے ہیں پس اگر ان اسباب اور مسببات میں انفصال موجود ہوتا تو ان کی وجہ سے شبہ جنم لیتا جس کے نتیجے میں مذکورہ حدود ساقط ہوجاتیں حالانکہ نبی علیہ السلام نے اس کے باوجود ان حدود کو نافذ فرمایا تھا، معلوم ہوا کہ ان جرائم سابقہ اور نصوصِ حادثہ میں اتصال موجود تھا اور یہ حدود اور ان کے اسباب باہم ملحق اور متصل تھے لہذا اس کو بنیاد بنا کر نصوصِ حادثہ کے لئے رجعی تاثیر کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

الغرض ماہرینِ قانون اور ماہرینِ تشریع اسلامی میں سے عبدالقادر عودہ جیسے لوگ نصوص کی رجعی تاثیر کے قائل نظر آتے ہیں لیکن وہ بھی مخصوص حالات اور مخصوص شرائط و ضوابط کے ساتھ اس اثر رجعی کو مشروط کرتے ہیں، یعنی مذکورہ لوگ

مذکورہ روایت پر غور کرنے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا lxii پر قذف کا جرم اس قدر سنگین نوعیت کا تھا کہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جانے کا خطرہ منڈ لا رہا تھا، جرم کی اس سنگین نوعیت کی وجہ حدِّ قذف کے سلسلے میں نازل ہونے والے نصِ حادثہ (Current Text) کو جرمِ سابقہ (جرمِ قذف) کے مقدمہ میں نافذ کیا گیا۔

اس سلسلے کی دوسری کڑی آیتِ حرابہؑ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ lxiii کا نزول ہے، جس کے سببِ نزول میں مفسرین کے یہاں اختلاف پایا جارہا ہے لیکن جمہور کی رائے کے مطابق یہ آیت قبیلہ عرینہ کے ان چندلوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن کو مدینہ کی آب و ہوا راست نہ آئی تھی اور ایک مخصوص بیماری کا شکار ہوئے تھے اور جن کو نبی علیہ السلام نے صدقہ کے اونٹوں کا دودھ اور بول پینے کا حکم دیا تھا اور اس کے نتیجے میں وہ تندرست ہوگئے تھے، بعد میں وہ بغاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے صدقہ کے اونٹوں کے چرواہے کا مثلہ کرتے ہوئے اونٹوں کو بھی بھگا کر لے گئے تھے، ان کو پکڑا گیا اور انہیں بھی ویسی ہی سزا دی گئی جو انہوں نے چرواہے کے ساتھ کیا تھا۔

مذکورہ واقعہ کو اگر اسی آیت کا سببِ نزول قرار دیا جائے تو اس صورت میں نصِ مذکور کیلئے رجعی تاثیر ثابت ہوگی، کہ نبی علیہ السلام نے نصِ حادثہ (آیتِ حرابہ) کو جرمِ سابقہ کے مقدمہ میں نافذ کیا تھا، ایک تو یہ کہ حرابہ کا جرم نہایت سنگین نوعیت کا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے امنِ عامہ کو شدید نقصان پہنچ رہا تھا حالانکہ امنِ عامہ کو یقینی بنانا شریعت کے اولین مقاصد میں سے ایک ہے، دوسرا یہ کہ مصلحتِ عامہ کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے بھی نصِ حادثہ کو جرمِ سابقہ کے مقدمہ میں نفاذ کا داعیہ موجود تھا کہ محاربین اور قُطاعِ الطريق کو آئندہ مسلمانوں کے خلاف ایسی گھناؤنی سازشوں اور جرائم کے ارتکاب کی ہمت تک نہ ہوسکے اور بطور زجر و توبیخ ان کو ڈرا کر مسلمانوں کی حفاظت اور پائیدار سماجی امن کو یقینی بنایا جاسکے، اسی طرح سماج دشمن عناصر اور سنگین فتنوں کے سدِ باب کو ممکن بنایا جاسکے کیونکہ: ”حفظ الأمن وحماية الجماعة ونظامها هو الغرض الأول والأخير من جعل الأثر الرجعي للنص“

بھی علی سبیل الاطلاق نصوص کے اثر رجعی کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ مخصوص شرائط کے وجود کو لازمی قرار دے کر کہتے ہیں کہ اگر یہ شرائط موجود ہوں تب تو کسی نص کے لئے اثر رجعی ثابت ہوسکتا ہے ورنہ ان شرائط کی انتفاء کی صورت میں مشروط بھی منتفی ہوگی اور نص رجعی تاثیر نہیں رکھے گا۔

Abstract (تلخیص)

شریعت اور قانون کے پاس اپنے پیروکاروں کے باہمی خصومات اور مسائل کو حل کرنے کا اپنا مخصوص طریقہ کار اور لائحہ عمل ہوتا ہے، جس کو مؤثر اور کامیاب بنانے کے لئے دونوں نے کچھ مخصوص قواعد اور اصول وضع کئے ہیں۔ انہی قواعد اور اصول میں سے ایک اہم قاعدہ کو فاضل بروم نے اپنی کتاب کے باب پنجم بابت بنیادی قانونی قواعد میں تیسرے نمبر پر مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

“In law the immediate, not the remote, cause of any event is regarded”

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی حادثہ یا وقوعہ رونما ہو جائے تو اس کی متعدد علل ہوسکتی ہیں، ان علل میں کچھ قدیمہ ہوں گی جبکہ کچھ علل جدیدہ یا حادثہ۔ قاعدہ مذکورہ کی رو سے ہر حادثہ کو اس کے سب سے آخر اور جدید علت کی طرف منسوب کیا جائے گا، کیونکہ ہر برٹ بروم کے مطابق اگر قانون ان تمام علتوں کی ٹوہ لگانے کے پیچھے پڑ جائے تو اس کے نتیجے میں قانون خود کو ایک لامتناہی پیچیدگیوں کے سلسلے میں پھنسا دے گا، لہذا ان پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے ان تمام علتوں کی بجائے قانون کو چاہئے کہ وہ خود کو علت حادثہ (Immediate Cause) تک محدود رکھے اور وقوعہ کو اسی کی طرف منسوب کرتے ہوئے معاملہ کو نمٹائے تاکہ وقت کی بچت اور الجھنوں میں نہ پھنسنے اور قانون کی توانائیاں بھی غیر ضروری امور پر صرف نہ ہونے کے ساتھ ساتھ متاثرہ فریق کو بروقت انصاف مل سکے۔

مذکورہ قانونی قاعدہ سے مماثلت رکھنے والے قاعدہ کو ”مجلۃ الأحکام العدلیۃ“ میں مادہ: 11 کے عنوان کے تحت ذکر شدہ قاعدہ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ”إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته“ یعنی کسی بھی پیش آمدہ وقوعہ کو اس کے قریب ترین وقت کی طرف منسوب مانا جائے گا کیونکہ قریب ترین وقت پر تمام فریقین کا اتفاق ہوتا ہے اور پچھلی تاریخ میں بسا اوقات اختلاف پایا جاتا ہے، لہذا مختلف فیہ تاریخ یا وقت کو چھوڑ کر متفق علیہ وقت یا تاریخ کی طرف اس وقوعہ کی نسبت کی جائے گی تاکہ اس کے

مطابق اس وقوعہ کے نتائج اور ثمرات ترتیب پاسکیں۔

قریب ترین وقت کی طرف وقوعہ کی نسبت کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ قریبی وقت اتفاقی ہوتا ہے اور اتفاق امر متیقن کو مستلزم ہوتا ہے جبکہ پچھلا وقت یا پچھلی تاریخ اختلافی ہوتی ہے اور اختلاف میں امر موبوم کا شائبہ شامل ہوجاتا ہے، چونکہ امر موبوم کسی امر متیقن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، لہذا اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی حادثہ یا وقوعہ کو اس کے قریب ترین وقت یا تاریخ کی طرف منسوب مانا جائے گا تاکہ امر متیقن پر عمل کرنے کو ممکن بنایا جاسکے اور امر اختلافی یا امر موبوم سے حتی الامکان بچا جاسکے۔

قاعدہ مذکورہ کی روح کے مطابق کسی بھی حادثہ یا وقوعہ کو اس کی علت حادثہ (Immediate Cause) یا قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ لہذا یہ کہ علت قدیمہ (Remote Cause) یا بعید وقت کی طرف اس وقوعہ کو منسوب کرنے کی کوئی قطعی دلیل ان موجود ہو جائے تو اس صورت میں قریب ترین وقت اور علت حادثہ کی بجائے وقوعہ کی نسبت بعید وقت اور علت قدیمہ کی طرف کی جائے گی۔ یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی وقوعہ کی نسبت اس کی قریب ترین علت اور وقت کی طرف کی جائے گی لیکن اگر اس نسبت کی وجہ سے ثابت شدہ یا طے شدہ امور اور اصول کی نفی لازم آ رہی ہو تو اس صورت میں مذکورہ قاعدہ پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

نتائج و اقتراحات

فاضل بروم کے قانون قواعد اور مجلۃ الاحکام العدلیۃ کی روشنی قاعدہ اعتبار قُرب علت کی تعبیر، اطلاق اور انطباق کے سلسلے میں تکمیل پانے والی زیر نظر تحقیق سے حاصل ہونے والے نتائج و اقتراحات کو درج ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

• کسی وقوعہ کی متعدد علتیں ہو سکتی ہیں، جن میں بعض علل قریبہ ہوتی ہیں اور بعض علل بعیدہ۔

• مذکورہ علتوں میں قانون قریبی علت کا لحاظ رکھ کر معاملہ کا تصفیہ کرنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس پر فریقین کا اتفاق ہوتا ہے۔

• قریبی علت کے مطابق فیصلہ کرنے سے عدالت کا قیمتی وقت اور توانائیاں ضائع نہیں ہوتی اور وہ پیچیدگیوں سے بچ جاتا ہے۔

• قریبی علت کے مطابق فیصلہ تب ہوگا جب اس

کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو ، ورنہ پھر فیصلہ علتِ بعیدہ کے مطابق کیا جائے گا۔

• فاضل بروم کے نزدیک قاعدہ اعتبارِ قُربِ علت کا ابتدائی اطلاق بیسویں صدی کے آغاز میں یورپی عدالتوں نے تکافلِ سفن پر کیا۔

• فقہ اسلامی میں بھی علتِ قدیمہ کی بجائے علتِ حادثہ کو دیکھا جاتا ہے بشرطیکہ علتِ قدیمہ کو تقویت دینے والی دلیل آن موجود نہ ہو۔

• اسلامی اور مغربی قوانین دونوں اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ مذکورہ قاعدہ کا اطلاق فوجداری مقدمات میں نہیں ہوتا۔

• فوجداری مقدمات میں چونکہ علتِ قدیمہ اور علتِ العلل کا ٹوہ لگایا جاتا ہے اس لئے یہ قاعدہ ان مقدمات میں لاگو نہیں کیا جا سکتا

ہے۔

• علامہ سیوطیؒ کے نزدیک مذکورہ قاعدہ کا اطلاق باب القصاص میں نہیں ہوتا (کیونکہ قصاص کا تعلق فوجداری مقدمات کے ساتھ ہے)

• جسٹس عبد القادر عودہ نے اس قاعدہ کے ضمن میں قانون کی رجعی تاثیر پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس پر کافی نظائر پیش کئے ہیں۔

• فاضل عودہ نے نصوص کی رجعی تاثیر کے لئے اصول بھی وضع کئے ہیں، اگرچہ دوسرے فقہاء نے اس تاثیر کا سرے سے انکار کیا ہے۔

مصادر ومراجع

رہے، آپ مشہور زمانہ جوڈی کیچر ایکٹ 1873ء کے خالق ہیں جو انگلستانی قانون میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس کی بنیاد پر انگلستان کے قانون عامہ اور قانونِ نصفت کو اکٹھا کیا گیا۔ آپ نے 4 مئی 1895ء کو ہپشائر، انگلستان میں وفات پائی۔

(<https://www.britannica.com/biography/Roundell-Palmer-1st-Earl-of-Selborne>, Retrieved on 19/15/2019)

^{xviii} Broom, P.145

^{xix} Broom, P.145

^{xx} Ibid

^{xxi} Broom, P. 146-148

^{xxii} Broom, P-150

^{xxiii} Ibid

^{xxiv} Broom, P.150

^{xxv} Broom, P.151

^{xxvi} Ibid

11 المجلد، صفحہ: 25، بذیل مادہ: ^{xxvii}

حوالہ مذکورہ بالا ^{xxviii}

شرح المجلة از اتاسی، صفحہ: 25^{xxix}

شرح المجلة از اتاسی، صفحہ: 30^{xxx}

شرح المجلة از اتاسی، صفحہ: 31-30^{xxxi}

صحیح البخاری، باب لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم، رقم الحدیث: 6764

الاشاہ لابن نجیم، صفحہ: 55ⁱⁱ

ⁱⁱⁱ Broom, P.138

^{iv} Ibid

المجلد بذیل مادہ: 4، صفحہ: 25^v

^{vi} Ibid

^{vii} Broom, P.139

^{viii} Broom, P. 140

^{ix} Ibid

^x Broom, P.142

^{xi} Broom, P. 142

^{xii} Broom, P. 143

^{xiii} Ibid

^{xiv} Broom, P. 143-144

^{xv} Broom, P.144

^{xvi} Ibid

^{xvii} Roundell Palmer, 1st earl of Selborne)

آپ 27 نومبر 1812ء کو میکسبری، آکسفورڈ شائر، انگلستان میں پیدا ہوئے، آپ 1863 تا 1865ء اٹارنی جنرل اور بعد میں دو بار برٹش لارڈ ہائی چانسلر کے عہدے پر تعینات

51 نعمان بن ثابت تیبی، ابو حنیفہ۔ فقیہ، مجتہد، محقق، قوی الحجۃ، کریم الاخلاق، سخی اور ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں۔ 80ھ=699ء کو کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ریشم کا کاروبار کرتے تھے۔ کئی مرتبہ ان کو قاضی بننے کی پیشکش ہوئی لیکن انہوں نے ٹھکرایا۔ فقہ حنفی کے مؤسس ہیں۔ ان کے علم و فضل کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں: لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں۔ ان کی سیرۃ پر کئی کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ 150ھ=767ء کو وفات پائی۔ (طبقات ابن سعد 6:348، ت: 2631؛ الاعلام 8:36)

شرح المجملۃ از اسامی، صفحہ: 31^{xxxiii}

حوالہ مذکورہ بالا^{xxxiv}

حوالہ مذکورہ بالا^{xxxv}

الاشاہ لایبن نجیم، صفحہ: 55^{xxxvi}

الاشاہ لسیوطی، صفحہ: 59^{xxxvii}

حوالہ مذکورہ بالا^{xxxviii}

الاشاہ لسیوطی، صفحہ: 59^{xxxix}

حوالہ مذکورہ بالا^{xl}

حوالہ مذکورہ بالا^{xli}

الاشاہ لایبن نجیم، صفحہ: 56^{xlii}

63 ابو الہذیل امام زفر بن الہذیل بن قیس التیمی العنبری البصری، امام ابو حنیفہ کے جلیل القدر شاگرد، فقیہ، مجتہد اور امام ہیں۔ 110ھ کو پیدا ہوئے۔ تدوین فقہ حنفی کے ارکان میں بھی شامل رہے۔ پھر بصرہ میں مسند قضا پر فائز ہوئے۔ قیاس و اجتہاد میں بڑے ماہر تھے، 158ھ کو وفات پائی۔ (الجواہر المصنیۃ 1:243، شذرات الذهب 1:243)

الاشاہ لایبن نجیم، صفحہ: 55^{xliv}

المجلد، صفحہ: 25، بذیل مادہ: 5^{xlv}

حوالہ مذکورہ، بذیل مادہ: 8^{xlvi}

علی حیدر، درد الحکام شرح محلۃ الاحکام، تعریب: الحامی فہمی الحسینی، جلد اول، صفحہ: 29، دار عالم الکتب للطباعة والنشر والتوزیع، ریاض، 2003ء^{xlvii}

الاشاہ لایبن نجیم، صفحہ: 56^{xlviii}

المدخل الفقہی العام، صفحہ: 985^{xlix}

عوذہ، عبد القادر، التشریح الجنائی الاسلامی مقارنًا بالقانون الوضعی، بذیل رقم: 205، دار الکتب العربی، بیروت لبنان، سلطانⁱ

النساء: 22^{li}

النساء: 23^{lii}

النساء: 23^{liii}

74 عبد اللہ بن ابی بن مالک بن حارث بن عبید خزرجی، ابو الجباب۔ ابن سلول اور نیکس المنافقین کے نام سے مشہور تھا۔ مدینہ کا رہائشی اور قبیلہ خزرج کا سردار تھا۔ غزوہ بدر کے بعد منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا اور غزوہ احد کے موقع پر تین سو ساتھیوں سمیت جنگ سے نکلا۔ 9ھ=630ء میں جب وفات پائی اور رسول اللہ نے اُن کا نماز جنازہ پڑھا۔ قرآن کریم کی سورۃ توبہ کی آیت: 84 اُن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات 1:260، ت: 285؛ الاعلام 4:65)

76 صفوان بن معطل سلمیٰ 5ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ متعدد غزوات میں شرکت کی، سریہ عربین میں پیش پیش تھے، غزوات میں عموماً "ساقہ" یعنی فوج کے اس حصہ پر مامور ہوتے تھے، جو فوج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، تاکہ فوج کے بھولے بھٹکے ہوئے آدمیوں اور گری پڑی ہوئی چیزوں کو ساتھ لیتا چلے، واقعہ اُفک وجہ شہرت ہے۔ مختلف روایات کے مطابق 17ھ یا 18ھ میں وفات پائی۔ (الوایا بالوفیات 16/3200-206/3-تاریخ الاسلام 3/110-الاعلام 3/296)

77 سعد بن معاذ الاوسی، سعد نام، ابو عمر و کنیت، سید الاوس لقب، قبیلہ عبد الاشہل سے ہیں۔ بنو اشہل کے سردار اور معزز صحابی تھے۔ غزوہ بدر سے اپنی شہادت تک تمام غزوات میں نمایاں طریقے سے شرکت کی، رسول اللہ ﷺ کو بہت محبوب تھے، اخلاقی حیثیت سے بڑے درجہ کے انسان تھے، عائشہ فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑھ کر عبد الاشہل کے تین آدمی تھے، سعد بن معاذ، اسید بن خضیر اور عبادہ بن بشر۔ غزوہ خندق میں تیر لگا۔ جس سے خون بہت مقدار میں نکلا، بنو قریظہ کے انجام کا فیصلہ کرنے کے بعد 5ھ کو وفات پائی۔ (أسد الغابۃ 2046، الاستیعاب 963، طبقات ابن سعد 2/13)

78 اسید بن خضیر، جلیل القدر صحابی ہیں، اسید نام، ابو یحییٰ و ابو عتیک کنیت، قبیلہ اوس کے خاندان اشہل سے تعلق رکھتے تھے، ابتدائی اسلام قبول کرنے والے انصار صحابہ میں سے ہیں۔ مواخاۃ مدینہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھائی بنائے گئے، متعدد غزوات میں شرکت کی۔ احد میں شریک تھے اور 7 زخم کھائے تھے لڑائی کی شدت کے وقت جب تمام مجمع دیگر حالات کی وجہ سے نبی علیہ السلام کے پاس سے ہٹ گیا اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے تھے۔ (تہذیب الکمال 115، تہذیب التہذیب 1/347، أسد الغابۃ 170)

79 سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کے سردار اور ابتدائی صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا اور ان کا شمار بلند پایہ صحابہ میں کیا گیا؛ چنانچہ بخاری میں ہے وکان ذا قدم فی الاسلام یعنی بڑے پایہ کے مسلمان تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وفات پائی تو سقیفہ بنی ساعدہ میں جو انصار کا جائے مشورہ تھا لوگ جمع ہوئے، سعد بیمار تھے، انصار نے ان کی خلافت پر بیعت کا ارادہ کیا تھا، لیکن بعد میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب متفق ہوئے۔ 15ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب الاسماء واللغات 1/212، تہذیب الکمال 474)

صحیح البخاری، رقم الحدیث: 4141^{lxi}

86 خولہ بنت ثعلبہ اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی شریک حیات تھیں۔ اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کیا تو انہوں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی چند آیات نازل فرمائی جو خولہ بنت ثعلبہ کے متعلق تھیں۔ (تہذیب الکمال 3/1682، تہذیب التہذیب 12/416)

87 اوس بن صامت غزوہ بدر میں شامل انصاری صحابی ہیں۔ یہ عبادہ بن صامت کے بھائی ہیں۔ سب سے پہلے شخص جنہوں نے ظہار کیا تھا ان کے نکاح میں ان کی چچا کی بیٹی خولہ بنت ثعلبہ تھیں۔ غزوہ بدر غزوہ احد اور دوسرے غزوات میں میں شریک ہوئے۔ خلافت عثمانی میں 34ھ میں وفات پائی اس وقت عمر 85 سال تھی۔ (تہذیب الکمال 1/126)

76 عائشہ بنت ابو بکر 9 قبل ہجری = 613ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ دو ہجری کو رسول اللہ کے ساتھ شادی ہوئی۔ رسول اللہ کو زیادہ محبوب تھی۔ قریش سے تعلق رکھتی تھی۔ مسلمان عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہ اور دین و ادب جاننے والے تھی۔ ام عبد اللہ کنیت ہے۔ ازواج مطہرات میں زیادہ مرویات ان ہی سے منقول ہیں۔ احادیث کی تعداد 2210 ہے۔ 58ھ = 678ء کو وفات پائی۔ (طبقات ابن سعد 8:46، ت:4128؛ الاعلام 3:240)

المائدہ: lxxiii 33

التشریع الجنائی الاسلامی مقارنًا بالقانون الوضعی، بذیل رقم: 206^{lxiv}

المجادلہ: 4-2^{lxv}